دولہا بن کر کیسا بانکا سجیلا لگ رہا تھا عطیب۔ فائقہ بیگم نے بیٹے کی نظر اتار کر صدقہ ملازمہ کو دیا تھا۔

"فائقہ! آپ کس چکر میں لگی ہوئی ہیں ،جلدی کریں بھئی۔" رضوان صاحب بیوی پر خفا ہوئے تھے۔ بارات روانگی کے لیے تیار تھی اور فائقہ بیگم دیر پر دیر کیے جا رہی تھیں۔

"ہاں بس چلیے۔ یہ کام بھی تو ضروری تھا۔ اللہ میرے بیٹے کو حاسدوں کی نظر سے بچائے۔" وہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"پھوپھو کا موڈ دیکھا ہے امی۔ مستقل آف ہے، چھوٹی چھوٹی باتوں میں مین میکھ نکالے جا رہی ہیں۔" آئمہ نے ماں کو مخاطب کیا۔

"بس کرو یار آئمہ! اس موقع پر ایسی باتوں کو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے۔" ڈرائیونگ سیٹ سنبھالے آئمہ کے میاں مدثر نے بیوی کو ٹوکا۔

گاڑی میں آئمہ اور مدثر کے علاوہ رضوان صاحب اور فائقہ بیگم موجود تھے۔ عطیب اپنے دوستوں کے ہمراہ روانہ ہوا تھا جبکہ کشف بھی دیگر کزنز کے ہمراہ دوسری گاڑی میں تھی۔

آئمہ، ماں سے پھوپھی کے تیور ڈسکس کرنا چاہ رہی تھی، جب مدثر نے نرمی سے اسے ٹوکا تھا۔

"یہ ہی بات تو میں بھی کب سے تمہاری آنٹی کو سمجھا رہا ہوں۔ اگر کسی کا موڈ آف ہے بھی تو چھوڑیں، درگزر کریں۔ خوشی کا موقع ہے۔ ہم کسی کے بگڑے موڈ کو لے کر اپنا موڈ کیوں غارت کریں۔" رضوان صاحب تحمل سے بولے تھے۔

"وہ کسی اور آپ کی سگی بہن ہے میاں صاحب! میں نے اپنے عطیب کے لیے اس کی لائبہ کا رشتہ نہیں مانگا' اس کے دل سے ملال جا ہی نہیں رہا۔ کسی نہ کسی بات کو لے کر مستقل طنز کے تیر چلائے جا رہی ہے۔ مہندی کا فنکشن کمبائن نہیں کیا، اس بات پر سو طرح کی باتیں بنائیں۔ میں نے تو صاف کہہ دیا کہ بی بی ہمارا سمدھیانہ بھی ہمارے والے خیالات رکھتا ہے۔ بے جا نمود و نمائش اور اسراف کو ہم بھی خرافات سمجھتے ہیں اور وہ بھی، بہت سلجھی ہوئی فیملی ڈھونڈی ہے۔ میں نے اپنے عطیب

ناولٹ

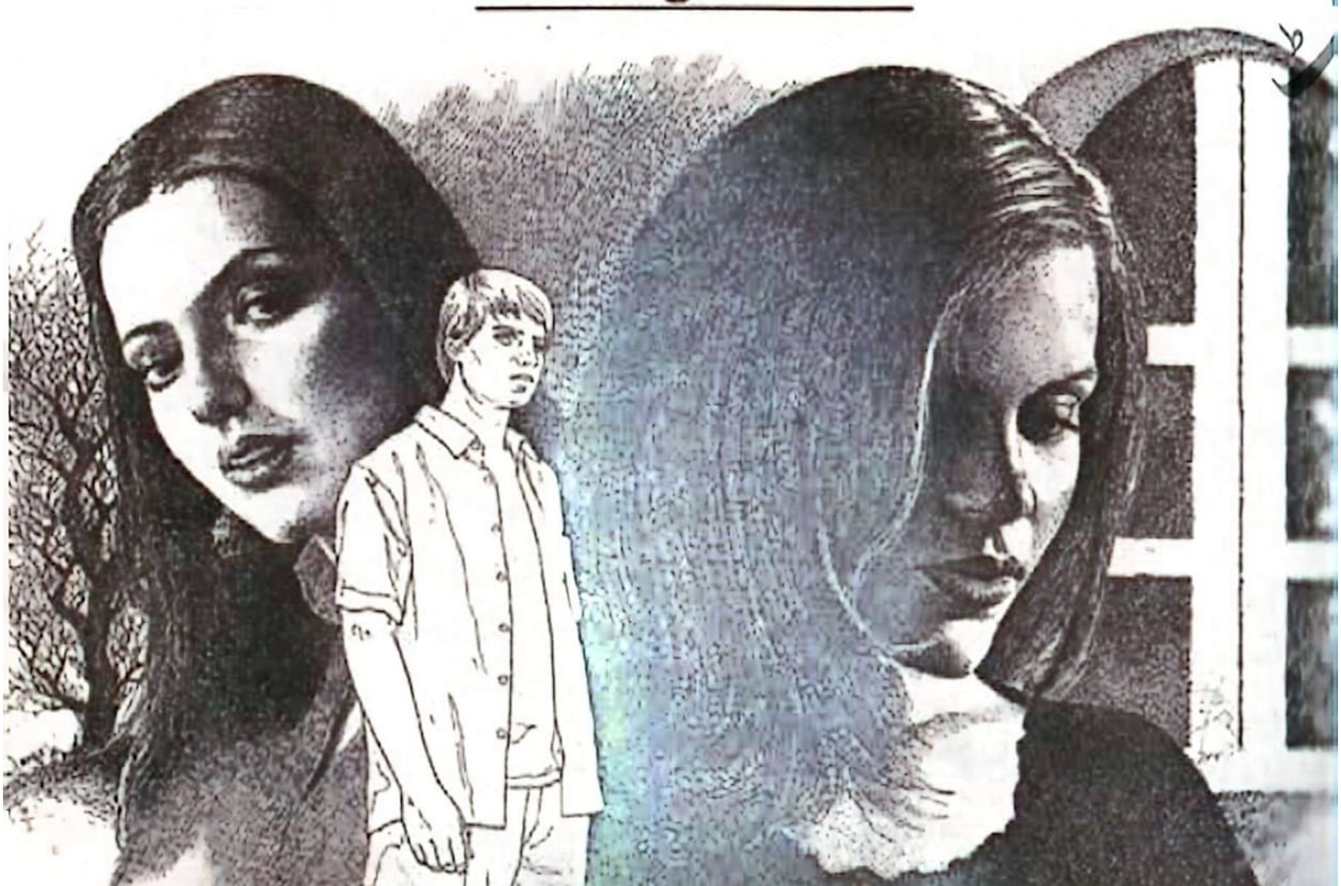

Novelistan.pk

کے لیے، معزز، مہذب اور وضع دار لوگ ہیں اور ماشاء اللہ میری بہو تو ایسی ہے کہ دیکھتے کے ساتھ ہی آنکھوں میں ٹھنڈک سی اتر جائے۔ آج کل کی لڑکیوں والی تیزی طراری تو نام کو نہیں۔ آپ کی بہن صاحبہ کی بولتی تو بند ہو گئی لیکن چہرے کے زاویے درست ہونے کا نام نہیں لے رہے۔" فائقہ بیگم نے نند کے بگڑے تیوروں کا پھر رونا رویا تھا۔

"چلیں امی! ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں ابو! پھوپھو کے رویے کو نظر انداز کریں۔ ان کے چہرے کے زاویوں کی فکر کر کے ہم اپنی خوشی کیوں غارت کریں۔ ہماری زندگی کا تو آج یادگار دن ہے۔" آئمہ نے اس بار سمجھ داری کا مظاہرہ کیا۔ فائقہ بھی بیٹی کی بات پر قائل ہو گئی تھیں۔ اس لیے جواب میں کچھ نہ بولیں۔

"برہان صاحب کا نمبر نہیں مل رہا۔ کب سے ٹرائی کر رہا ہوں۔ رضوان صاحب نے سمدھی کا نام لیتے ہوئے کہا تھا۔

"دلہن کے باپ ہیں، مصروف ہوں گے اور آپ کو ایسی کون سی بات کرنی ہے ان سے اب تو ہم ان کے ہاں پہنچنے ہی والے ہیں۔" فائقہ بیگم رسان سے بولیں۔

"وہ تو ٹھیک ہے۔ میں نے تو بس انہیں آگاہ کرنا تھا کہ بارات روانہ ہو چکی ہے لیکن تعجب ہے وہ فون نہیں اٹھا رہے۔" رضوان صاحب کو جانے کیوں تشویش سی محسوس ہو رہی تھی۔

"ارے آپ سے بڑھ کر وقت کے پابند ہیں برہان صاحب ہار پھول لیے منتظر کھڑے ہوں گے۔" فائقہ بیگم مسکرائی تھیں۔

ذرا سی دیر میں بارات منزل مقصود پر پہنچ گئی تھی لیکن توقع کے برعکس استقبال کا کوئی اہتمام نہ تھا۔ یہ تو شادی والا گھر ہی نہ لگ رہا تھا۔ دلہن والوں کے چہروں پر نگاہ پڑتے ہی احساس ہوا کہ شادی کے بجائے مرگ کا سماں ہے۔ برہان صاحب کے شانے ڈھلکے ہوئے تھے اور نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"میں آپ سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں رضوان صاحب! میری بیٹی نے آج ہمیں زندہ درگور کر دیا ہے۔ اس نے مجھے آپ سے نگاہیں ملانے کے قابل بھی نہیں چھوڑا ہے۔" انہوں نے واقعی رضوان صاحب کے آگے ہاتھ جوڑ دیے تھے۔

"ہوا کیا ہے بھائی صاحب! بتایئے تو سہی۔" فائقہ بیگم کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے کر مسلا۔ کتنے ارمانوں سے وہ اکلوتے بیٹے کی بارات لائی تھیں۔ خدا جانے کیا انہونی وقوع پذیر ہو گئی تھی۔

"فرزین گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ وہ اپنے کلاس فیلو سے شادی کرنا چاہتی تھی۔" برہان صاحب کے چھوٹے بھائی نے دھیرے سے بتایا تھا۔ فائقہ بیگم کا ہاتھ دل پر جا پڑا۔ صدمے اور تاسف سے رضوان صاحب بھی گنگ سے ہو گئے تھے۔

"آپ کی بیٹی کے یہ کرتوت تھے۔ کم از کم ہمیں بتا تو دیتے۔

کتنے ارمانوں سے بارات لائے اور یہاں یہ ذلت ہماری منتظر ہے۔" فائقہ رونے لگی تھیں۔

"بہن جی! صبح سے فرزین کو ٹریس کرنے کی کوشش کر رہے ہیں سوچا تھا مل جائے گی تو عزت کا واسطہ دے کر اسے نکاح پر راضی کر لیں گے لیکن ایک رقعہ کے سوا وہ کوئی سراغ چھوڑ کر نہیں گئی۔ ہمیں تو جیتے جی مار ڈالا اس لڑکی نے، ایسی کالک مل دی کہ ہم تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔" یہ فرزین کے ماموں تھے جو بھانجی کے عمل پر حد درجہ شرمندہ اور ملول تھے۔

"میرے بیٹے کا کیا قصور، وہ کیوں اس ذلت کا حصہ دار بنے ہم دنیا والوں کو کیا منہ دکھائیں گے۔" فائقہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہوتے جا رہی تھیں۔ بارات کے ہمراہ آئے افراد بھی صورت حال پر

ششدر تھے۔
"سمدھیانے کی نیک نامی اور شرافت کا بہت ڈھنڈورا پیٹتی تھیں فائقہ بھابھی۔ اب چکھ لیں مزہ غیروں میں رشتہ جوڑنے کا۔"
عظمٰی پھوپھو نے استہزائیہ انداز میں خود کلامی کی۔ آئمہ اور کشف نے بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھا۔ غم کی شدت سے عقل ماؤف ہوئی جا رہی تھی۔ صرف فائقہ تھیں جو دلہن والوں پر دل کی بھڑاس نکال رہی تھیں اور وہ بے چارے سب کچھ سننے پر مجبور تھے۔
"میری بیٹی کی وجہ سے آپ کا شملہ بھی نیچے ہوا۔ تلافی کی کوئی صورت نہیں لیکن اگر آپ لوگوں کو مناسب لگے تو میں اپنی چھوٹی بیٹی کا نکاح عطیب میاں سے کرنے پر تیار ہوں۔ ایک مجبور اور بے بس باپ کے اختیار میں اس کے سوا کچھ نہیں۔ فرزین کے کیے کی سزا آپ لوگوں کو کیوں ملے۔ آپ بارات لائے ہیں۔ دلہن رخصت کروا کر لے جانا آپ کا حق ہے۔"
شریف النفس برہان صاحب نے اپنے تئیں تلافی کی کوشش کی تھی۔ فائقہ بیگم کو اس تجویز سے کوئی سروکار نہ تھا ان کا واویلا جاری تھا جبکہ رضوان صاحب سوچ میں پڑ گئے تھے۔
"آپ لوگ باہمی مشورے سے فیصلہ کر کے ہمیں آگاہ کر دیں۔ ہماری قسمت میں جو ذلت لکھی تھی وہ اب کوئی نہیں مٹا سکتا۔ دنیا کے سامنے آپ لوگوں کا کچھ بھرم رہ جائے بس اس کی کوشش ہی کر سکتے ہیں۔" فرزین کے چچا نے رضوان صاحب کا شانہ تھپک کر انہیں سنجیدگی سے مخاطب کیا پھر اپنی طرف کے لوگوں کو لے کر کمرے سے نکل گئے تھے۔ مقصد ان لوگوں کو فیصلے پر پہنچنے کے لیے موقع فراہم کرنا تھا۔
"ایک بیٹی گھر سے شادی والے روز بھاگ گئی۔ اللہ جانے دوسری کے کیا کرتوت ہوں گے۔ رضوان بھائی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیجیے گا۔" عظمٰی پھوپھو نے چہرے پر تشویش بھرے تاثرات پیدا کر کے بڑے بھائی کو مخاطب کیا تھا۔
"تو اور کیا بھئی، ہماری ایسی کیا مجبوری کہ ہم اپنے بچے کا رشتہ ایسی جگہ جوڑیں۔ عظمٰی تمہاری لائبہ بھی تو ہے۔ بھائی کی عزت کا خیال کرو۔ نازک وقت ہے۔ بارات میں تو چلو گھر گھر کے لوگ ہیں کل ولیمے کا فنکشن ہے ایک دنیا اکٹھی ہو گی۔ کس کس کے سامنے تقریب ملتوی ہونے کا جھوٹا سچا عذر پیش کریں گے۔ میری مانو تو گھر واپس چلتے ہیں اور ابھی کے ابھی لائبہ اور عطیب کا نکاح پڑھوا دیتے ہیں۔"
بڑی تائی نے اپنی دانست میں مسئلے کا حل نکالا تھا۔
"معاف کیجیے گا بھابھی! میری بیٹی اتنی گری پڑی نہیں ہے۔ رضوان بھائی نے پہلے رشتہ مانگا ہوتا تب بھی ہم سو بار سوچ کر اقرار کرتے، یوں کیسے میں اپنی بیٹی کا رشتہ عطیب سے جوڑ سکتی ہوں۔ کسی اور کی دہلیز پر بارات لے کر آیا۔ دلہن نہ نصیب ہوئی تو افراتفری میں میری بچی سے نکاح پڑھوا لیا۔ نہ بابا نہ ہماری کیا مجبوری ہے جو ہم یہ رشتہ جوڑیں۔"
عظمٰی پھوپھو نے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے بڑی بھاوج کو ٹکا سا جواب دیا تھا۔ رضوان صاحب نے لب بھینچ کر چھوٹی بہن کو گھورا مگر کچھ کہنے سے گریز کیا پھر بیوی پر نگاہ ڈالی جو زار و قطار رونے میں مصروف تھیں۔
"رونا دھونا بند کریں بیگم! برہان صاحب کی تجویز ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کی بڑی بیٹی کا فعل اس کے اپنے ساتھ۔ ہم ان کی چھوٹی بیٹی کو عطیب کے سنگ رخصت کروا کر لے جاتے ہیں۔"
صورت حال کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے رضوان صاحب نے دلہن والوں کی تجویز کو سند قبولیت بخش دی تھی۔
"لیکن ابو!" آئمہ نے کچھ کہنا چاہا۔ فائقہ بیگم نے بھی شوہر کی بات پر تڑپ کر انہیں دیکھا تھا۔
"بیٹا! جوش کے بجائے ہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ تمہاری ماں نے آدھے شہر کو اکلوتے

بیٹے کی دعوت ولیمہ کے کارڈ بانٹے ہیں' یہ ہماری بھی عزت کا سوال ہے۔" رضوان صاحب نے بیٹی کا اعتراض سننے سے پہلے ہی اسے سمجھانا چاہا تھا۔

"دنیا کو تو پھر بھی سب خبر ہو جائے گی۔ ایسی باتیں بھلا چھپتی تھوڑی ہیں۔" بڑی تائی نے ٹھنڈی سانس بھر کر خود کلامی کی۔ رضوان صاحب نے بھاوج کو بھی کچھ نہ کہا' وہ سوالیہ نگاہوں سے بیوی کو تک رہے تھے۔ فائقہ نے شوہر کی نگاہوں کا پیغام سمجھ کر آنسو پونچھے تھے۔

"عطیب سے پوچھ لیں اگر اسے کوئی اعتراض نہ ہو تو۔" وہ دھیرے سے بولی تھیں۔ سب کی نگاہوں کا مرکز اب عطیب بنا تھا۔

وہ بانکا سجیلا دولہا جواب کلاہ اتار کر دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے بیٹھا تھا۔ رضوان صاحب نے کچھ کہے بنا بیٹے کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ اس نے بے بسی کے عالم میں سر اٹھا کر باپ کو دیکھا۔

"برہان صاحب کو ہاں کہہ دوں نا بیٹا۔" وہ فرماں بردار بیٹے سے ایسے آڑے وقت میں فرماں برداری کا ثبوت مانگ رہے تھے۔ اس کی تو اپنی عقل بری طرح ماؤف ہو چکی تھی باپ کو کیا جواب دیتا بس خالی نگاہوں سے انہیں تکتے گیا۔

"انسان کی زندگی میں بعض اوقات اس سے بھی بڑے بحران آتے ہیں بیٹا۔ اللہ سے خیر کی امید رکھو' یہ مشکل وقت بیت جائے گا۔ اللہ نے تمہارے مقدر میں فرزین کے بجائے برہان صاحب کی چھوٹی بیٹی کا ساتھ ہی لکھا ہو' یہ سوچ کر اپنے دل کو رشتہ جوڑنے پر آمادہ کرلو۔" وہ رسانیت بھرے لہجے میں بیٹے سے مخاطب تھے۔

"جیسا آپ مناسب سمجھیں ابو......!" عطیب یہ ہی کہہ پایا۔

آدھے گھنٹے بعد فرزین برہان کے بجائے تابین برہان اس کی منکوحہ بن چکی تھی۔ دلہن والوں کے اصرار کے باوجود فائقہ بیگم کھانے کے لیے رکنے پر راضی نہ ہوئیں۔ وہ فوری رخصتی چاہ رہی تھیں۔ کسی کو ان سے بحث کا یارا نہ تھا۔ بڑی سی چادر میں لپٹی تابین کو کشف نے سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا تھا۔

فائقہ بیگم اور آئمہ کو تو اس سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔ گھر پہنچ کر بھی کشف نے ہی اسے بیڈروم تک پہنچایا تھا۔ وہ سیج جو شاید بہت ارمانوں سے اس کی بہن کے لیے سجائی گئی تھی اب اس پر بیٹھنا تابین کو پڑ رہا تھا۔ تابین کے بدن پر بھی وہی عروسی جوڑا تھا جو رواج کے مطابق دولہا والوں کی جانب سے پہلے ہی دلہن کے لیے بھجوایا گیا تھا۔

فرزین گداز بدن کی لڑکی تھی۔ اس کے ناپ کے مطابق سلایہ خوب صورت ترین لباس تابین جیسی نازک اندام لڑکی پر ڈھیلا ڈھالا لگ رہا تھا۔ میک اپ کے نام پر بھی شاید لپ اسٹک ہی ہونٹوں کی زینت بنی تھی۔

بھاری بھرکم عروسی جوڑا' ڈھیر سارے زیور اور دھلے' دھلائے چہرے پر فقط لپ اسٹک لگائے وہ انتہائی مضحکہ خیز اور حواس باختہ دلہن لگ رہی تھی۔ کشف کو اس پر جی بھر کر ترس آیا۔ وہ اپنی بہن کے کیے کی ذمہ دار نہ تھی' اس کے باوجود بہن کی غلطی کا خمیازہ اس کو بھگتنا پڑ رہا تھا۔

"آپ پلیز ریلیکس ہو جائیں۔ میں آپ کے کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔" کشف نے اسے نرمی سے مخاطب کیا۔ وہ شاید کشف کی ہی ہم عمر تھی لیکن اب اس کی بڑی بھاوج کے رتبے پر فائز تھی اس لیے اس نے تابین کو آپ کہہ کر ہی مخاطب کیا ورنہ جب ایک' دو بار گھر والوں کے ساتھ فرزین بھابھی کے ہاں جانا ہوا تھا تو اس نے تابین سے بے تکلفی کے ساتھ خاصی گپ شپ لگائی تھی۔

"مجھے بھوک نہیں ہے صرف ایک گلاس پانی کے ساتھ کوئی پین کلر مل جائے تو۔" تابین دھیرے سے بولی تھی۔ کشف کے دل کا تاسف مزید بڑھ گیا۔ وہ اس وقت کس ذہنی اذیت میں مبتلا تھی کشف بخوبی سمجھ سکتی تھی۔

"میں لاتی ہوں۔" وہ کہہ کر پلٹ گئی۔ لاؤنج

novelistan.pk

آباد تھا۔ سب مہمان ابھی تک آج کے واقعے پر ہی اظہار خیال میں مصروف تھے۔

"اے کشف بیٹا! تمہاری ماں تو سر لپیٹ کر کمرے میں بند ہو گئی ہے۔ مہمان بھوکے ہیں کچھ کھانے وانے کا بندوبست کرو بھئی۔" نائلہ ممانی نے اسے مخاطب کیا۔

کھانا دلہن کے ساتھ آیا ہے ممانی! بس تھوڑا انتظار کرلیں۔" اسی وقت آئمہ بھی ادھر آ نکلی تھی جواب اسی کی طرف سے آیا۔

کشف نے گرم دودھ کے گلاس کے ساتھ سر درد کی گولی تابین کو دی اور پھر ماں کے کمرے کا رخ کیا۔ حسب توقع عطیب وہیں موجود تھا۔ آئمہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"پہلے ہی بہت جگ ہنسائی ہو چکی ہے عطیب! مزید تماشا مت بنواؤ۔ جاؤ اپنے کمرے میں۔" آئمہ نرم لہجے میں بھائی سے مخاطب تھی۔

"مزید تماشا سے آپ کی کیا مراد ہے آپی! تماشا لگنے میں کوئی کسر رہ گئی ہے کیا؟" وہ زیر خند لہجے میں مخاطب ہوا۔ آئمہ نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"میں تمہاری ذہنی کیفیت سمجھ سکتی ہوں۔ ہم آج اس لڑکی کو بیاہ کر لائے ہیں تو یہ کڑوا گھونٹ صرف دنیا والوں کے سامنے اپنے بھرم کی خاطر پیا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مجبوری کے اس بندھن کو ہمیشہ کے لیے اپنے گلے کا طوق بنائے رکھو۔ فی الحال وقت گزرنے دو پھر کوئی فیصلہ کرلیں گے۔ پریشان کیوں ہو رہے ہو" آئمہ نے لاڈلے بھائی کو پیار سے سمجھایا۔ کشف نے شاکی نگاہوں سے بہن کو دیکھا مگر اس وقت ان سے بحث کرنا مناسب نہ تھا۔

"آئمہ ٹھیک کہہ رہی ہے بیٹا! اگر آج تابین سے تمہارا نکاح نہ پڑھواتے تو کل دنیا والوں کے سامنے ولیمے کا فنکشن ملتوی ہونے کا کیا جواز پیش کرتے۔ فی الحال صورت حال کی نزاکت کو سمجھو۔ اگر یہ رشتہ نباہنے پر تمہارا من مائل نہ ہوا تو ہم تمہارے فیصلے کی پشت پر ہوں گے۔ شادیاں بھی اسی دنیا میں ہوتی ہیں اور نباہ نہ ہو سکے تو طلاق دینا آج کے دور میں کوئی ایسے اچنبھے کی بات نہیں تم ہرگز پریشان مت ہو، بس کچھ عرصے کے لیے مجبوری کا یہ بندھن برداشت کرلو۔" فائقہ بیگم نے بھی بیٹے کو مطمئن کرنا چاہا، عطیب جواب میں کچھ نہ بولا بس خاموشی سے اٹھ گیا تھا۔

"رکیں بھائی!" جیسے ہی وہ کمرے سے نکلا کشف اس کے پیچھے لپکی تھی۔ عطیب نے سوالیہ نگاہیں اس پر گاڑیں۔

"جو کچھ ہوا اس میں تابین کا کوئی قصور نہیں۔ کسی اور کے کیے کی سزا اسے مت دیجیے گا۔ اس سے نرمی سے پیش آئیے گا۔" کشف نے جھجکتے ہوئے بڑے بھائی کو مخاطب کیا تھا۔

"اپنی عمر سے بڑی باتیں مت کیا کرو کشف۔" عطیب اسے جھڑک کر آگے بڑھ گیا تھا۔ کشف وہیں کھڑی بے بسی سے لب کاٹتی رہی۔

☆☆☆

وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا اور دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا۔ ماں باپ نے اکلوتے بیٹے کو بہت لاڈوں سے پالا تھا لیکن دنیا تسلیم کرتی تھی کہ لاڈ پیار کے باوجود فائقہ اور رضوان نے بیٹے کی تربیت مثالی انداز میں کی ہے۔ خوب صورتی اور ذہانت تو خیر خداداد تھی لیکن سلجھی ہوئی شخصیت یقیناً تربیت کا نتیجہ تھی۔

یونیورسٹی ــــ اور پھر عملی زندگی میں بہت سی لڑکیاں اس کی شان دار شخصیت کی طرف ملتفت ہوئیں لیکن عطیب نہ تو دوستی میں خود ایک حد سے آگے بڑھا نہ کسی کو بڑھنے کا موقع دیا۔ قریبی رشتہ داروں میں بھی بہت سے لوگ اپنی بیٹیوں کا عطیب سے رشتہ جوڑنے کے خواہش مند تھے۔

رضوان صاحب کی چھوٹی بہن عظمی ان میں سرفہرست تھیں لیکن فائقہ کو نند کی بیٹی کے بے باک سے انداز واطوار پسند نہ تھے۔ گزشتہ کچھ برسوں سے

عظمیٰ کے میاں کا کاروبار خوب چمک اٹھا تھا۔ دولت کی ریل پیل کے ساتھ ان کے انداز و اطوار ہی بدل گئے۔ بچوں کو بھی بے لگام آزادی مل گئی۔

عظمیٰ نے بھائی کے سامنے دبی زبان میں لائبہ اور عطیب کے رشتے کی بات کی تھی لیکن فائقہ کی رضامندی نہ پا کر رضوان نے چھوٹی بہن سے سہولت سے معذرت کر لی۔ اب سب خاندان والے منتظر تھے کہ فائقہ بیگم اپنے اکلوتے نور نظر کے لیے کیا گوہر نایاب ڈھونڈتی ہیں اور فائقہ کو فرزین کی شکل میں وہ گوہر نایاب مل ہی گیا۔ رضوان صاحب کے ایک دیرینہ شناسا نے دونوں خاندانوں کا آپس میں رابطہ کروایا تھا۔ فائقہ کو برہان صاحب کا گھرانہ بے حد پسند آیا تھا۔

وہ خاندانی اطوار رکھنے والے شائستہ مزاج اور ملنسار لوگ تھے۔ دونوں گھرانوں کی اقدار میں بے حد مماثلت تھی۔ نظریات اور خیالات کی ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ برہان صاحب کی بیٹی فرزین کے بے پناہ حسن نے فائقہ بیگم کا دل ہی موہ لیا۔ آئمہ کو بھی شہزادیوں کی سی آن بان رکھنے والی فرزین بے پناہ پسند آئی تھی۔

فائقہ بیگم نے فوراً ہی ان لوگوں کے سامنے عطیب کے رشتے کے لیے دست سوال دراز کر دیا۔ سوچ بچار کی رسمی مہلت کے بعد وہاں سے مثبت جواب مل گیا۔ منگنی کے بجائے شادی کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ فائقہ بیگم اور آئمہ اٹھتے بیٹھتے فرزین کے حسن اور معصومیت کے قصیدے پڑھتیں۔ عطیب کا دل بھی انوکھی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔

وہ ماں، باپ کے ہمراہ دوبار سسرال گیا تھا۔ فرزین کچھ دیر کے لیے ساس کی سسر کو سلام کرنے ڈرائنگ روم میں آئی تھی اور اس کے ایک جھلک نے ہی عطیب کو سرشار کر دیا تھا۔ ماں نے واقعی اس کے لیے گوہر نایاب ڈھونڈا تھا۔ پہلی بار اس کے جی میں خواہش پیدا ہوئی کہ اپنے دوستوں کی طرح وہ بھی ہونے والی بیوی سے ٹیلی فونک رابطہ قائم کر لے۔

آئمہ آپی کے سامنے اس خواہش کا اظہار بھی کر دیا۔

''پاگل ہوئے ہو عطیب۔ فرزین آج کل کی لڑکیوں سے بہت مختلف ہے۔ وہ تو ہم لوگوں سے بات کرتے ہوئے نظریں نہیں اٹھاتی۔ سلام دعا کرنے کے ساتھ ہی کھسک جاتی ہے تم سے فون پر بات کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتی نہ ہی اس کے گھر والے اجازت دیں گے۔'' آئمہ آپی نے ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔

''اور اب تو خیر سے چند دنوں کی بات ہے پھر وہ چاند ہمارے آنگن میں اتر آئے گا۔ فرصت سے اسے تکتے بھی رہنا اور ڈھیروں باتیں کرنا۔''

آئمہ نے بھائی کو پیار سے چھیڑا۔ وہ جھینپ کر ہنس پڑا۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ قسمت اس کے ساتھ کیسا بھیانک مذاق کرنے والی ہے۔ اس کی ہونے والی منکوحہ نے اس کے شخصی وقار، انا اور مردانگی کو کیسی کاری ضرب لگائی تھی۔ نکاح سے محض چند گھنٹے قبل وہ کسی اور کے ہمراہ زندگی کے نئے سفر پر نکل گئی تھی اور وہ لڑکی جواب اس کی منکوحہ بن کر اس کے بیڈروم میں موجود تھی، عطیب اس کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہ تھا، فرزین نام سے جڑا کوئی حوالہ اسے اب اپنی زندگی میں گوارا نہ تھا۔ لیکن فرزین کی چھوٹی بہن اس کی زندگی کی اٹل حقیقت بن کر اس کے کمرے میں موجود تھی۔

بیڈ کے ایک کونے میں بیٹھی۔۔۔ ڈری سہمی اور انتہائی حواس باختہ شکل والی اس لڑکی پر عطیب کو ایک پل کے لیے بھی ترس نہ آیا بلکہ اس کے غصے اور جھنجلاہٹ میں اضافہ ہی ہوا تھا۔ آخر اس نے باپ کی بات مانی ہی کیوں۔ وہ لڑکی ذات تو نہ تھا کہ گھر کی دہلیز سے بارات لوٹتے وقت بدنامی کے خوف سے کسی بھی دستیاب شخص سے رشتہ جوڑنا پڑ جاتا۔ اسے نکاح سے انکار کر دینا چاہیے تھا کچھ عرصے بعد کوئی معقول اور مناسب ساجیون ساتھی مل ہی جاتا۔ اسے فرزین جیسی لڑکی کی بہن سے کوئی رشتہ ہرگز نہ جوڑنا چاہیے تھا۔ اپنی حماقت پر اب رہ رہ کر تاؤ آ رہا

novelistan.pk

تھا۔

"یوں آنکھیں پھاڑ کر مجھے کیا دیکھ رہی ہو۔ جانتی ہو اس مضحکہ خیز حلیے میں تم اس وقت کوئی کارٹون کریکٹر لگ رہی ہو۔" وہ اپنی ناگواری کا اظہار کیے بنا نہ رہ پایا تھا۔ تابین نے پلکیں جھپک کر آنسو چھلکنے سے روکے تھے۔

"میرا بس چلے تو ایک پل ضائع کیے بنا تمہیں اس کمرے سے بھی بے دخل کر دوں اور اپنی زندگی سے بھی لیکن فی الحال مجبور ہوں۔ میرے ماں، باپ دنیا والوں کی زبانوں سے خائف ہیں، محض ان کے بھرم کی خاطر میں نے یہ رشتہ جوڑا ہے لیکن مجبوری کے اس بندھن سے کوئی توقع لگانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میری زندگی میں تمہاری گنجائش کبھی نہیں نکل سکتی تمہاری حیثیت بتانے کے لیے مجھے تم سے مخاطب ہونا پڑا ہے ورنہ میں تم جیسی لڑکی پر دوسری نگاہ تک نہیں ڈالنا چاہتا۔"

اس نے تنفر بھرے انداز میں تابین کو مخاطب کیا تھا۔ اور وہ اس کی آخری بات سن کر تڑپ ہی تو گئی تھی۔

"آپ مجھ پر دوسری تو کیا پہلی نگاہ بھی مت ڈالیں۔ بھلے سے مجھے اپنی زندگی سے بے دخل کر دیں یا اس کمرے سے لیکن میرے لیے تم جیسی لڑکی کے الفاظ استعمال مت کریں۔ فرزین آپی کے کیے کسی عمل کی میں ہرگز ذمہ دار نہیں۔ آپ آئندہ مجھے ان سے کمپیئر مت کیجیے گا۔ اس وقت آپ ان سے جتنی نفرت محسوس کر رہے ہیں، میں ان سے اس سے دگنی نفرت کر رہی ہوں۔ انہوں نے میرے امی، بابا کا سر جھکایا۔ صرف اپنے بابا کے کہے کا مان رکھنے کی خاطر میں آپ سے نکاح پر راضی ہوئی ہوں۔ یہ صرف آپ کے لیے مجبوری کا بندھن نہیں۔ میں آپ سے بڑھ کر مجبور ہوں۔" تابین کے لب کپکپا اٹھے تھے۔

عطیب کو اس حواس باختہ شکل والی لڑکی سے ایسے مدلل جواب کی توقع نہ تھی۔ اس نے تعجب سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا جبکہ تابین بے بسی کے شدید احساس سے دوچار ہو کر گھٹنوں پر سر رکھ کر آنسو بہانے لگی تھی۔

"رونے کا شغل ساری رات جاری رکھ سکتی ہو لیکن آواز کے بغیر، کیونکہ میرے سر میں شدید درد ہے اور میں اب سونا چاہتا ہوں۔" عطیب نے بےزار سے لہجے میں باور کروایا تھا۔ تابین نے گھٹی گھٹی سسکیاں روکنے کے لیے گھٹنوں کے مزید اندر منہ دے لیا تھا۔ عطیب نے اس بار اسے مخاطب کرنا غیر ضروری خیال کیا تھا۔ اس کے اعصاب اس قدر تھک چکے تھے کہ فی الوقت وہ گہری اور پرسکون نیند کا متمنی تھا۔ نیند ہی حالات سے وقتی فرار کا ذریعہ تھی۔ ذرا سی دیر میں وہ واقعی سو گیا تھا۔ تابین نے رات کتنی دیر تک رونے کا شغل پورا کیا عطیب کو نہ تو اس کا علم تھا اور نہ ہی اس سے کوئی سروکار تھا۔

☆☆☆

وہ تابین برہان تھی۔ اپنے ماں، باپ کی سب سے پیاری اور فرماں بردار بیٹی۔ خدیجہ نے اپنے چاروں بچوں کی تربیت مثالی انداز میں کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن اس تربیت کا صحیح عکس تابین کی ذات میں ہی جھلکتا تھا۔ فرزین خدیجہ اور برہان کی پہلوٹھی کی اولاد تھی۔ دلکش نقوش والی، گوری چٹی، بہت پیاری بچی۔ دادی اور پھوپھیاں اس کے لاڈ اٹھاتے نہ تھکتیں۔ اس لاڈ پیار نے اس کی طبیعت میں تھوڑی سی خودسری پیدا کر دی تھی۔ چار برس تک اسے گھر کا اکلوتا بچہ ہونے کا اعزاز حاصل رہا۔ تابین پیدا ہوئی تو پھوپھیاں بیاہ کر اپنے اپنے گھر بار کی ہو گئی تھیں۔

دادا، دادی بھی بیمار اور ضعیف ہو چکے تھے پھر وہ فرزین کی طرح غیر معمولی حسین بھی نہ تھی۔ اسے ددھیال کا بے جا لاڈ پیار نہ ملا، ہاں ماں باپ کو وہ فرزین سے کم پیاری نہ تھی۔ وقت گزرنے اور عمر بڑھنے کے ساتھ اس کی پیاری عادتوں نے اسے ماں باپ کے دل کے مزید قریب کر دیا تھا۔ برہان دفتر

novelistan.pk

سے آتے تو وہ خدیجہ کی دیکھا دیکھی سب سے پہلے انہیں پانی کا گلاس پیش کرتی۔ پھر ان کی چپلیں پاس لا کر رکھتی۔ فرزین کی طرح بھی بے جا فرمائش یا ضد نہ کرتی۔ اسامہ اور رضا دونوں اوپر تلے کی پیدائش تھے۔ تابین چھوٹے بھائیوں کو سنبھالنے میں ماں کی حتی المقدور مدد کرتی۔ ماں کے منع کرنے کے باوجود اس نے چھوٹی عمر سے ہی گھر کے کاموں میں بھی ان کا ہاتھ بٹانا شروع کر دیا تھا۔

''میری یہ بیٹی تو میری کسی نیکی کا انعام ہے برہان صاحب۔'' خدیجہ تنہائی میں شوہر کے سامنے بیٹی کی تعریف کرتیں، برہان مسکرا دیتے۔ فرزین بھی ماں باپ سے پیار کرتی تھی۔ اپنے سے چھوٹی تابین سے بھی اس کے دوستانہ تعلقات تھے۔ لیکن وہ فطرتاً من موجی اور لاپروا قسم کی لڑکی تھی۔ شعور کی منزل پر پہنچتے پر ماں نے دونوں بیٹیوں کو اچھائی' برائی کا فرق اور صحیح' غلط کی تمیز سکھا دی تھی لیکن وہ سبق جو تابین نے اپنی گرہ سے باندھ لیے فرزین نے ان پر سرسری سا ہی غور کیا تھا۔ مخلوط تعلیمی ادارے میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران وہ اپنے کلاس فیلو کی محبت میں گرفتار ہو گئی تھی۔

اس کا حسن اسے ویسے بھی سب میں ممتاز کرتا تھا۔ گھر سے بہت اہتمام سے پردہ کر کے جاتی لیکن یونیورسٹی پہنچ کر دوپٹہ شانوں پر ڈھلک جاتا۔

دانیال بھی اس کی زلف ــ کا اسیر ہو گیا تھا۔ دونوں نے مل کر مستقبل کے لیے بہت سے عہد و پیمان باندھے تھے۔ ان ہی دنوں اس کے لیے عطیب کا رشتہ آ گیا' فرزین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ماں' باپ اتنی جلدی اس رشتے کو سند قبولیت بخش کر شادی کی تاریخ بھی مقرر کر دیں گے۔ ماں باپ کی ناراضی اور ان کے ممکنہ ردعمل سے خائف ہو کر وہ رشتہ طے ہونے تک انہیں دانیال کا بتا ہی نہ پائی لیکن جب رشتہ پکا ہونے کے بعد شادی کی تیاریاں بھی شروع ہو گئیں تو اس نے ہمت کر کے خدیجہ کو اپنی پسند سے آگاہ کر دیا۔

خدیجہ تو بیٹی کی زبانی یہ سب سن کر ششدر ہی رہ گئی تھیں۔ اپنے گھرانے کی اقدار اور بچوں کی مثالی تربیت کا مان پل بھر میں ہوا ہو گیا۔ بیٹی کی داستان عشق سن کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔ عطیب کے گھر والوں کی آمد پر فرزین کے جس رویے کو وہ شرم و جھجک پر محمول کرتی تھیں۔ اب پتا چلا وہ تو ان کی بیٹی کا اظہار لاتعلقی اور ناپسندیدگی تھا۔ خدیجہ کی سمجھ میں نہ آتا کہ وہ اپنی کوکھ جنی بیٹی کی اداؤں کو کیوں سمجھ نہ پائیں۔ اگر وہ ماں کو پہلے ہی اعتماد میں لے لیتی تو شاید صورت حال اتنی گھمبیر نہ ہوتی لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ ایک معزز گھرانے سے رشتہ جڑ چکا تھا۔ شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ ایسے وقت وہ کیسے بیٹی کی خواہش پر سر جھکا دیتیں۔

انہوں نے پیار' محبت' ڈانٹ' دھمکی ہر طرح کا حربہ آزما کر فرزین کو زبان بندی پر مجبور کر دیا۔ ان کا خیال تھا یہ وقتی خمار عطیب سے شادی کے بعد اتر جائے گا۔ عطیب میں کس چیز کی کمی تھی۔ پڑھا لکھا' خوبرو' برسر روزگار' خدیجہ تو یہ رشتہ طے ہونے کے بعد سے لے کر اب تک وقتاً فوقتاً شکرانے کے نفل پڑھتی رہتی تھیں جبکہ ان کی عاقبت نااندیش بیٹی کفران نعمت کی مرتکب ہو رہی تھی۔ اپنی دانست میں انہوں نے فرزین کو صورت حال کی نزاکت اچھی طرح سمجھا دی تھی۔ فرزین نے بھی بظاہر چپ سادھ لی۔ اس کے دماغ میں کیا چل رہا تھا۔ اس کا اندازہ ہوتا تو شاید وہ شوہر کو ہی اس بارے میں اعتماد میں لے لیتیں۔

شادی والی صبح جب فرزین ان کے منہ پر کالک مل کر گھر سے نکلی تو خدیجہ کو اپنی حماقت کا ادراک ہوا لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ صدمے سے چور برہان صاحب نے سمدھیانے کو اس ذلت میں حصہ دار بنانا گوارا نہ کیا۔ انہوں نے رضوان صاحب کے سامنے تابین کا رشتہ پیش کر دیا۔ تابین تو ابھی بہن کے دیے ہوئے دھچکے سے نہ سنبھلی تھی کہ یہ افتاد سر پر پڑ گئی لیکن اس کڑے وقت میں وہ باپ

کی حکم عدولی کی مرتکب نہ ہو سکتی تھی۔

فرماں بردار بیٹی کو اپنی فرماں برداری کا ثبوت دینا پڑا تھا لیکن وہ دل ہی دل میں والدین سے سخت خفا کی تھی۔ بہن کے کیے کی سزا اسے بھگتنی پڑی تھی۔ اپنی زندگی کے سب منصوبے، ساری آرزوؤں امنگوں کا گلا گھونٹ کر اس نے سسرال کی اجنبی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ وہ بہت سہمی ہوئی تھی۔ جانتے وہ لوگ اس سے کیسا سلوک کرتے ہیں۔ توقعات کے عین مطابق وہاں اس سے مثالی برتاؤ نہ کیا گیا تھا۔ وہ ان چاہی تھی۔ مجبوری کے عالم میں کڑوا گھونٹ بھرتے ہوئے وہ لوگ اسے بیاہ تو لائے تھے لیکن عطیب سمیت ان سب کی نگاہوں میں حقارت اور بے زاری تھی۔

☆☆☆

وہ لڑکی جو شادی والے روز مضحکہ خیز دکھائی دے رہی تھی آج اس پر الگ ہی روپ چڑھا تھا وہ ہمیشہ سادہ رہتی تھی۔ پہلی بار تیار ہوئی تھی۔ جب ماہر بیوٹیشن نے اس کے سنگھار کو فائنل ٹچ دیا تو وہ آئینے میں اپنا روپ دیکھ کر خود بھی ششدر رہ گئی تھی۔

ولیمے کا جوڑا بھی فرزین کے ناپ کا ہی تھا۔ لیکن مناسب فٹنگ کے بعد اس کے بدن پر خوب جچ رہا تھا۔ جس پارلر میں فرزین نام کی دلہن نے تیار ہونا تھا وہاں اب تابین تیار ہوئی تھی۔ پارلر والوں کو نام کی تبدیلی سے چنداں سروکار نہ تھا۔ ہنر مند بیوٹیشن کے مشاق ہاتھوں نے اس کا پور پور سجا دیا تھا۔ آئمہ اس کے ہمراہ تھی۔ بادل نخواستہ ہی سہی مگر رسم دنیا نبھانے کے لیے ولیمے کی تقریب کے لیے دلہن کے سنگھار سمیت سارے لوازمات پورے کرنا تھے۔

قریبی رشتہ داروں سے بھی استدعا کی گئی تھی کہ دنیا والوں کے سامنے دلہن کی تبدیلی کا ڈھنڈورا پیٹنے سے گریز کریں۔ بظاہر سب نے ہی ان کی عزت کو پورے خاندان کی عزت قرار دے کر اس معاملے میں زبان بندی کا یقین دلایا تھا۔

رضوان صاحب کا وسیع حلقہ احباب تھا۔ خود فائقہ کے جان پہچان والوں کی تعداد کم نہ تھی۔ عطیب کے کولیگز، یار دوست، پڑوسی غرض ایک بہت بڑی تعداد میرج ہال میں موجود تھی۔ شناسا خواتین فائقہ بیگم کو اتنی پیاری بہو ڈھونڈنے پر مبارک باد دے رہی تھیں، وہ جبری مسکراہٹ چہرے پر سجائے سب کی مبارک بادیں وصول کرتی پھر رہی تھیں۔

''تابین کتنی پیاری لگ رہی ہے نا آئمہ آپی۔ کل تو فرزین کے مقابلے میں بالکل عام سی لگ رہی تھی۔'' کشف نے بہن کو مخاطب کیا۔

''اس کی بہن بھی شکل سے کم معصوم نہیں لگتی تھی۔ اللہ جانے اس کے بھی کیا کرتوت ہوں گے۔'' آئمہ نے تنفر بھرے انداز میں جواب دیا۔ کشف چپ کی چپ رہ گئی۔

اسٹیج پر دولہا' دلہن' کا فوٹو سیشن جاری تھا اور آئمہ کے دونوں بچوں کے علاوہ گھر کا کوئی فرد اس موقع پر جوش و خروش کا مظاہرہ نہ کر رہا تھا۔ سات سالہ میشا اور پانچ سالہ ریان ہی دلہن ممانی کے ساتھ پوز بنوا بنوا کر تصویریں کھنچوا رہے تھے۔ دولہا میاں بھی جلد ہی فوٹو سیشن سے جان چھڑا کر اپنے دوستوں کے پاس جا پہنچے تھے۔

''یونیورسٹی میں جو لڑکیاں تم پر مرتی تھیں ان میں سے ایک بھی تو تمہاری دلہن کے پاسنگ نہیں۔ اپنی امی کی مرضی پر چھوڑ کر فائدے میں رہے۔ آنٹی نے بہت پیاری دلہن ڈھونڈی ہے تمہارے لیے۔'' نازش جو اس کے بیسٹ فرینڈ عادل کی بیوی اور خود عطیب کی کلاس فیلو رہ چکی تھی۔ عطیب کو مسکراتے ہوئے مبارک باد دے رہی تھی۔ عطیب محض مسکرا دیا۔

''کاش ہم بھی ماں کی پسند پر ہی سر جھکاتے۔'' عادل نے بیوی کو چھیڑا تھا۔ حسب توقع نازش فوراً خفا بھی ہو گئی لیکن آج عطیب ان کے درمیان ثالثی کروانے کے لیے نہ کودا۔ اس کا کسی سے مخاطب ہونے کو بھی دل نہ کر رہا تھا۔ جی میں دھڑکا سا لگا ہوا تھا کہ کہیں کوئی کل والی بدمزگی سے

novelistan.pk

واقف نہ ہو جائے۔

عظمٰی پھوپھو خواتین کے ایک گروپ میں بیٹھی جانے ان سے چپکے چپکے کیا باتیں کر رہی تھیں۔ لائبہ بھی استہزائیہ انداز میں کبھی اسٹیج پر دلہن بنی بیٹھی تابین کو دیکھتی تو کبھی طنزیہ مسکراہٹ عطیب کی جانب اچھال دیتی۔

عطیب بہت مشکلوں سے دلی کیفیت چھپائے مہمانوں سے ملنے میں مصروف تھا۔ تقریب کے تقریباً اختتام پر تابین کے والدین بھی تشریف لے آئے تھے۔ دنیا دکھاوے کی خاطر عطیب کو ان سے سلام دعا کرنی پڑی تھی لیکن خدیجہ آنٹی جس بے قراری سے بیٹی سے ملنے کو بڑھی تھیں۔ بیٹی نے کسی ردعمل کا اظہار نہ کیا تھا۔ ماں' باپ سے ملتے وقت اس کے سرد و سپاٹ انداز سے عطیب کو بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اپنے ماں' باپ سے بے تحاشا خفا ہے۔ بیٹی کی سرد مہری محسوس کر کے خدیجہ آنٹی نے بہت مشکل سے اپنے آنسو ضبط کیے پھر عطیب کی جانب متوجہ ہوئیں۔

''جو کچھ ہوا اس میں میری تابین کا کوئی قصور نہیں عطیب! یہ میری سب سے پیاری اور فرماں بردار بیٹی ہے۔ اس کی بہن کے کیے کی سزا اس کو مت دینا۔'' انہوں نے دھیرے سے داماد سے التجا کی تھی۔ عطیب لب بھینچے خاموش کھڑا رہا۔ ساس کی تسلی کے لیے دو بول بولنے کی زحمت بھی نہ کی۔ خدیجہ دل مسوس کے آگے بڑھ گئی تھیں وہ اب فائقہ بیگم سے رسم کے مطابق تابین کو ساتھ لے کر جانے کی بات کر رہی تھیں۔ فائقہ بیگم کے چہرے پر کٹیلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آپ کی ڈھٹائی کی داد نہ دینا زیادتی ہوگی۔ جن حالات میں یہ شادی ہوئی آپ کو ابھی بھی خوش گمانی ہے کہ سب کام ریت' رواجوں کے مطابق ہوں گے۔ شوق سے لے جایئے اپنی بیٹی کو لیکن پھر عطیب اسے واپس لائے گا یا نہیں میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔'' انہوں نے سمدھن کو دو ٹوک جواب دیا تھا۔

''چلیں' جب عطیب بیٹے کا دل صاف ہوگا' وہ تابین کو ہم سے ملوانے لے آئے گا۔'' خدیجہ دل گرفتہ سے یہ ہی کہہ پائی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد رضوان صاحب نے بیوی کو خفگی سے دیکھا۔

''کیا ہو گیا ہے فائقہ! میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم بھی عام عورتوں کی طرح بی ہیو کرو گی۔ یوں خدیجہ بھابھی کو طعنے دینے سے کیا حاصل۔ جب انسان کی زندگی کسی غیر معمولی واقعے سے دوچار ہوتی ہے تب ہی اس کے تحمل' حقیقی ظرف اور برداشت کا اندازہ ہوتا ہے۔ میں کسی بھی طرح کے حالات میں تم سے کم ظرفی کی توقع نہیں کر سکتا۔'' رضوان صاحب شریک سفر پر خفگی کا اظہار کیے بنا نہ رہ پائے۔

''میں اس وقت بڑے ظرف کا مظاہرہ نہیں کر سکتی رضوان! میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی ان کی بیٹی کی وجہ سے غارت ہوئی ہے۔ میرے بیٹے کی زندگی کو کیسے تماشا بنا دیا گیا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدیجہ بھابھی کو بیٹی کے عمل کی بھنک بھی نہ پڑی ہو۔ اس نے یقیناً پہلے گھر والوں کو منانے کی کوشش کی ہو گی۔ کاش یہ اپنی بیٹی کے ساتھ زور' زبردستی نہ کرتے۔ اس کی پسند کو اپنا لیتے۔ نہ ان کا شملہ نیچا ہوتا نہ یہ تذلیل ہمارا مقدر بنتی۔'' فائقہ ایک بار پھر سسک پڑی تھیں۔

''اچھا چلو اب حوصلہ کرو آنسو پونچھو۔ ہر شر میں خیر کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ اللہ سے خیر کی ہی امید رکھو۔'' انہوں نے بیوی کو رسانیت سے سمجھایا تھا۔

وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے فائقہ نے بھی فوراً ہی آنکھیں صاف کر کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ سجالی تھی۔ فنکشن اختتام پذیر تھا اور اب انہوں نے مہمانوں کو رخصت کرنا تھا۔ شوہر کی معیت میں وہ آگے بڑھ گئی تھیں۔

☆ ☆ ☆

پہلی رات کے بعد نہ عطیب نے اسے مخاطب

کیا نہ تابین کی طرف سے کوئی ایسی کوشش کی گئی۔ وہ ایک چھت تلے اجنبیوں کی مانند زندگی گزار رہے تھے۔ عطیب تو صرف سونے کے لیے ہی کمرے کا رخ کرتا جبکہ تابین کا سارا وقت کمرے میں ہی گزرتا۔ جب تک کشف گھر میں تھی وہ اس کا خیال رکھنے کی اپنی سی کوشش کر لیتی تھی لیکن اب وہ واپس ہاسٹل سدھار گئی تھی۔ کشف میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی اور دوسرے شہر کے میڈیکل کالج میں ایڈمیشن کی وجہ سے وہیں ہاسٹل میں مقیم تھی۔

آئمہ آپی کا گھر قریب تھا وہ ہر دوسرے، تیسرے دن چکر لگاتی تھیں لیکن تابین پر ایک کٹیلی نگاہ ڈالنے کے سوا اسے مخاطب تک کرنے کی روادار نہ ہوتی تھیں۔ ہاں کبھی سامنا ہونے پر ان کے شوہر مدثر بھائی شفقت بھرے انداز میں اس سے حال احوال ضرور دریافت کرتے۔ دونوں بچوں کی البتہ وہ فیورٹ مامی تھی۔ وہ آتے کے ساتھ ہی اس کے کمرے میں گھس جاتے۔ تابین جو انسانوں سے بات کرنے کو ترستی تھی ان بچوں کا دم اسے غنیمت لگتا۔ وہ ان کے ساتھ کارٹون دیکھتی انہیں کہانیاں سناتی اور کبھی کبھار لڈو کی بازی بھی جمتی۔ ریان اور میشا ماں کی ہدایت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اس سے بہت بے تکلف ہو چکے تھے۔ اس روز بھی عطیب موبائل کا چارجر لینے کمرے میں آیا تو میشا تابین کا سر کھا رہی تھی۔

''بتائیں نا تابین مامی! آپ نئے نئے کپڑے کیوں نہیں پہنتیں؟ میری بیسٹ فرینڈ کے چاچو کی شادی ہوئی ہے اس کی دلہن چاچی تو اچھے اچھے کپڑے پہنتی ہیں۔ آپ تو لپ اسٹک بھی نہیں لگاتیں۔'' میشا کو اس کے نہ سجنے سنورنے پر قلق ہو رہا تھا۔ عطیب نے ایک سرسری نگاہ تابین کے چہرے پر ڈالی۔ وہ اس وقت بھی کاٹن کے سادہ سے پرنٹڈ سوٹ میں ملبوس تھی۔ دوپٹہ تو ہر وقت ہی سر پر جمائے رکھتی تھی۔ میک اپ سے بے نیاز سادہ سا چہرہ۔

''آپ کاپی پنسل لے کر آؤ۔ آج ہم ایک نیا گیم کھیلتے ہیں۔''

اس نے میشا کا سوال ٹالا تھا۔ عطیب چارجر لے کر باہر نکل گیا، لاؤنج میں بھی گفتگو کا موضوع تابین کی ہی ذات تھی۔

''اپنی ماں کو سمجھاؤ بیٹا۔ اس بچی پر رحم کھائیں۔ وہ قید تنہائی کے مجرموں کی طرف زندگی گزار رہی ہے۔ زندہ رہنے کے لیے کھانا مجبوری ہے۔ بے چاری رات کو سب کے سونے کے بعد چوروں کی طرح کمرے سے نکلتی ہے اور ذرا سا کھانا پلیٹ میں ــــ کر پھر کمرے میں چلی جاتی ہے۔ نہ تمہارے بھائی کو اس پر ترس آتا ہے نہ تمہارے ماں کو۔'' رضوان صاحب شاکی لہجے میں آئمہ سے مخاطب تھے۔

''اس سے گھر کے کام کاج کروایا کریں امی! یوں مہارانی بن کر سارا دن چارپائی توڑتی رہتی ہے آپ کو اس سے کیا حاصل۔''

آئمہ کا مشورہ سن کر رضوان صاحب بس ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئے۔ کٹھورپن میں ان کی بڑی بیٹی بھی ماں اور بھائی سے کم ثابت کب ہوئی تھی۔

''اپنے گھر کے کاموں کے لیے میں اس کی محتاج نہیں ہوں، سچی بات تو یہ ہے کہ میرا اس کی شکل تک دیکھنے کو دل نہیں کرتا۔'' فائقہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔

''سو آپ لوگوں کو تو سمجھانا ہی فضول ہے۔'' رضوان خفگی سے کہہ کر وہاں سے اٹھ گئے تھے۔ فائقہ اور آئمہ کو ان کی خفگی سے چنداں سروکار نہ تھا۔

عطیب بھی وہیں بیٹھا اپنے سیل فون پر ای میل چیک کرنے میں مصروف تھا لیکن دھیان بھٹک کر باپ کی باتوں کی جانب جا رہا تھا۔ کیا خوفناک تشبیہات استعمال کی تھیں انہوں نے 'قید تنہائی کا مجرم' رات کو چوروں کی طرح کمرے سے نکل کر ذرا سا کھانا پلیٹ میں لینا' کیا واقعی وہ لڑکی مظلوم تھی اور

وہ سب اس کے حق میں ظالم ثابت ہو رہے تھے۔ اس نے سر جھٹک کر ان سوچوں کو دماغ سے نکالا تھا۔

☆☆☆

خاندان میں ــــ دو چار لوگوں نے نئے شادی شدہ جوڑے کو کھانے پر مدعو کرنے کی رسم نبھائی تھی لیکن یہ رسمی دعوت ٹیلی فون پر دی جاتی تھی اور فائقہ فون پر ہی معذرت کر لیتیں لیکن عظمیٰ پھوپھو بنفس نفیس انہیں ڈنر پر مدعو کرنے گھر تشریف لائی تھیں۔ لائبہ بھی ان کے ہمراہ تھی۔

''دعوت کے تکلف کی کیا ضرورت ہے عظمیٰ! تم جانتی تو ہو شادی کن حالات میں ہوئی ہے۔'' عظمیٰ کے اصرار پر فائقہ نے جز بز ہوتے ہوئے جواب دیا تھا۔

''شادی جن حالات میں بھی ہوئی بھابھی! اب خیر سے تابین آپ کی بہو ہے۔ اب آہستہ آہستہ اسے خاندان والوں سے بھی متعارف کروائیں نا۔ ہم نے تو ولیمے کے بعد اس کی شکل تک نہ دیکھی۔'' عظمیٰ کو بھاوج کا بجھا بجھا سا لہجہ بہت مزا دے رہا تھا۔

''اور کیا مامی! بھابھی کو ہمارے ہاں لے کر آئیں نا۔ ہم سے تو ابھی تک ان کا تعارف بھی نہیں ہوا ہے۔''

مسکارے سے بوجھل آنکھیں پٹ پٹا کر بولنے والی یہ لائبہ تھی۔ چست جینز میں ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے وہ اس وقت اپنی دانست میں حسینہ عالم لگ رہی تھی۔

''آپ دن بتا دیں پھوپھو۔ میں اور تابین آجائیں گے۔'' عطیب کے منہ سے جیسے خود بخود پھسلا تھا۔

فائقہ نے حیرانی سے بیٹے کو دیکھا۔ توقع کے خلاف جواب پا کر عظمیٰ اور لائبہ بھی ذرا بد مزا ہوئی تھیں۔ وہ کچھ اور سننے کی متمنی تھیں ۔ دعوت کا کھڑاگ کون کرنا چاہتا تھا۔ یہ تو جسٹ فار انجوائے منٹ والا معاملہ تھا لیکن اب اپنی بات نباہنا پڑ گئی تھی۔

''دیکھ لو بیٹا! جو دن تمہیں سوٹ کرے۔ کوئی مصروفیت نہ ہو تو سنڈے کو پروگرام رکھ لو۔'' عظمیٰ نے مصنوعی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر بھتیجے کو مخاطب کیا۔

''ٹھیک ہے پھوپھو!'' عطیب نے ان کی تجویز کی تائید کر دی تھی۔

''بھابھی کو تو بلائیں عطیب! پچھلی بار ہم آئے تھے جب بھی ان سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔'' لائبہ نے اسے زچ کرنے کی اپنی سی ایک اور کوشش کی تھی۔ خاندانی سی آئی ڈی کے نتیجے میں تابین کے اس گھر میں مقام سے سب ہی واقف تھے۔

''وہ سو رہی ہے۔'' فائقہ نے اس بار بیٹے کو جواب دینے کی زحمت سے بچا لیا تھا۔

''پچھلی بار بھی سو رہی تھیں۔ کیا انہیں اتنی نیند آتی ہے۔'' لائبہ لطف لیتے ہوئے بولی۔ عطیب نے بہت مشکل سے اپنی ناگواری چھپائی تھی اور چند منٹ ان کے پاس بیٹھ کر وہ بیڈ روم میں چلا گیا تھا۔

تابین جائے نماز پر بیٹھی تھی۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھے تھے اور بند آنکھوں سے موتیوں جیسے آنسو گالوں پر پھسل رہے تھے۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں۔ فٹافٹ آنسو پونچھے اور پھر جائے نماز ہی سمیٹ دی۔ اس وقت عطیب کی کمرے میں آمد غیر متوقع تھی۔ وہ اسی لیے تھوڑا سا گڑبڑا گئی تھی اور عطیب سوچ رہا تھا کہ یہ لڑکی ہر کام اتنا چوری چھپے کیوں کرتی ہے۔ وہ فجر کی نماز کے لیے بھی بالکل دبے پاؤں اٹھتی تھی لیکن عطیب اتنے دنوں میں اس کے معمولات سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ چاہے چوری چھپے سہی لیکن نماز پورے خشوع و خضوع سے ادا کرتی تھی۔

☆☆☆

عظمیٰ پھوپھو کے ہاں ڈنر پر جانے کی نوبت نہ آئی تھی۔ انہوں نے اپنی کسی ہنگامی مصروفیت کا عذر پیش کرتے ہوئے ڈنر آئندہ کی کسی تاریخ تک موخر

کر دیا تھا۔

''بس اتنی سی بات تھی امی۔ ایسے لوگوں سے نمٹنے کا یہ ہی طریقہ ہوتا ہے' آپ اس روز بلاوجہ پریشان ہو رہی تھیں۔'' عطیب نے مسکرا کر ماں کو مخاطب کیا۔ فائقہ بھی مسکرادی تھیں۔

عظمٰی کے ڈنر سے جان چھوٹی تو عادل اور نازش نے پیچھا لے لیا۔ وہ نئے شادی شدہ جوڑے کو اپنے ہاں لنچ پر مدعو کرنا چاہ رہے تھے۔ عطیب کو ان کے اصرار کے آگے ہار ماننا پڑی تھی۔

''تابین کو بتادیں امی! کہ کل تیار ہو جائے۔ عادل نے لنچ پر انوائیٹ کیا ہے۔'' اس نے تابین کو خود مخاطب کرنے کے بجائے یہ کام فائقہ کے سر ڈالا۔

''ایسے کب تک چلے گا عطیب۔'' فائقہ نے گہری سانس اندر کھینچتے ہوئے سنجیدگی سے بیٹے کو مخاطب کیا۔

''کیسے...... کب تک......'' وہ واقعی کچھ نہ سمجھا۔

''تمہارے ابو نے میرا پیچھا ہی پکڑ لیا ہے۔ وہ تم سے اور مجھ سے سخت خفا ہیں، کہتے ہیں اگر عطیب یہ رشتہ نبھانے میں سنجیدہ نہیں تو اس لڑکی کو اپنے نام کے جوڑ کر کیوں اپنے گھر میں بٹھا رکھا ہے۔ یہ تابین کے ساتھ بھی زیادتی ہے۔ عطیب جلد از جلد کسی فیصلے پر پہنچے۔ بہتر تو یہ ہے کہ تابین کو اپنا لے اور اگر اس پر راضی نہیں ہوتا تو اسے اس نام نہاد بندھن سے آزاد کر دے۔'' فائقہ نے شوہر کا پیغام من وعن بیٹے تک پہنچایا تھا۔ عطیب چپ سا ہو گیا۔

''یہ تو ابو کے الفاظ ہیں نا۔ آپ کیا کہتی ہیں امی۔'' کچھ لمحوں کے توقف کے بعد اس نے ماں کی رائے چاہی۔

''میں تمہیں کیا بتاؤں بیٹا! میری تو عقل خود ماؤف ہو گئی ہے' تمہارے ابو کی باتیں سن کر میں بھی وقتی طور پر شرمندہ تو ہو جاتی ہوں۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں اس لڑکی کے لیے اپنے دل میں قطعی گنجائش نہیں پاتی۔ حالانکہ یہ بھی سچ ہے کہ جو کچھ ہوا اس میں اس کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن فرزین نام سے جڑے حوالے کی وجہ سے میرے دل میں اس کے لیے چڑ اور بے زاری کے سوا کوئی دوسرا جذبہ نہیں ابھرتا۔'' فائقہ صاف گوئی سے بولی تھیں۔ عطیب خاموش رہا تھا۔

''لیکن تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو بیٹا۔ تمہارے ساتھ جو زیادتی ہو چکی ہے اب میں کوئی اور زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ سوچ سمجھ کر جو مرضی فیصلہ کرو۔ نہ اپنے ابو کے دباؤ میں آنے کی ضرورت ہے نہ میری رائے کو حرف آخر جانو۔ اپنے دل کو ٹٹولو جس بھی فیصلے پر پہنچو مجھے آگاہ کر دو۔ تمہارا ہر فیصلہ ہمیں قبول ہوگا۔'' فائقہ پر اس وقت صرف ممتا بھرے جذبات حاوی تھے، عطیب نے بنا کچھ کہے محض اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆☆☆

آج وہ پہلی بار اسے اپنی بیوی کی حیثیت سے کہیں لے کر جا رہا تھا۔ تابین دعوت کے لیے بہت اہتمام سے تیار نہ ہوئی تھی لیکن عطیب کو دل میں قائل ہونا پڑا کہ اس معمولی سنگھار میں بھی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔ عادل اور نازش نے ان کا گرم جوشی سے استقبال کیا تھا اور جب تابین اور عادل کی والدہ کا آمنا سامنا ہوا تو تابین لپک کر ان سے ملنے آگے بڑھی۔ شگفتہ آنٹی نے بھی والہانہ انداز میں تابین کو ساتھ لپٹایا تھا۔

''عطیب میاں! ہمیں تو خبر ہی نہ تھی کہ تم نے میری سب سے چہیتی شاگرد سے بیاہ رچایا ہے۔'' وہ مسکرا کر عطیب سے مخاطب ہوئیں۔

عادل کی والدہ شگفتہ جلال مقامی گرلز کالج میں ایسوسی ایٹ پروفیسر تھیں اور یقیناً تابین کو ان کی شاگرد ہونے کا شرف حاصل تھا۔ استاد' شاگرد کی اس اتفاقی ملاقات پر عادل اور نازش بھی خوشگوار حیرت سے دوچار تھے۔

''مما! آپ ہمارے ساتھ عطیب کے ولیمے

پر چلتیں تو یہ انکشاف پہلے ہی ہو جاتا کہ بھابھی آپ کی اسٹوڈنٹ ہیں۔" عادل مسکرا کر ماں سے مخاطب ہوا۔

"مجھے کیا پتا تھا بھئی کہ تابین کی شادی عطیب سے ہوئی ہے۔ ہمارے کالج کی سب سے برائٹ اسٹوڈنٹ کی یوں اچانک ــ شادی ہوگئی۔ ہمیں تو اس سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ کئی برسوں میں پہلی بار امکان بنا تھا کہ اس بار میڈلز کی دوڑ میں ہمارا کالج بھی شریک ہو سکے گا لیکن جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دے گئے۔

تابین! میں سخت خفا ہوں تم سے تمہیں یوں اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اگر ماں، باپ نے رخصت کرنے میں جلدی کر ہی دی تھی تو تم شادی کے بعد اپنی ایجوکیشن کمپلیٹ کرتیں۔ کتنی بچیاں ہیں جو شادی کے بعد بھی پڑھائی جاری رکھتی ہیں۔" شگفتہ آنٹی خفگی بھرے انداز میں اپنی چہیتی شاگرد سے مخاطب تھیں۔ تابین سے فوری کوئی جواب نہ بن پڑا تھا وہ کچھ سٹ پٹا سی گئی تھی۔ عطیب کا حال بھی قدرے مختلف نہ تھا۔

"اُفوہ مما! آپ نے بھابھی کی یہیں کلاس لے لی۔ پہلے کچھ خاطر تواضع تو کر لینے دیجیے۔" عادل نے مداخلت کی۔ عطیب نے سکون کا سانس لیا۔ کھانے کی میز پر بھی شگفتہ جلال تابین کی تعریفیں کرتی رہیں۔

"اپنے پورے کیریر میں مجھے تابین جیسے اسٹوڈنٹ، دو چار ہی ملے ہیں۔ ذہانت تو چلو خداداد صلاحیت ہے لیکن اتنی چھوٹی عمر میں اتنی میچیور سوچیں۔ ایسی سلجھی ہوئی شخصیت۔"

انہوں نے اپنی چہیتی شاگرد کی شان میں ایک اور قصیدہ پڑھا تھا۔ استاد کے منہ سے یہ الفاظ سن کر تابین کی آنکھیں جھلملا گئی تھیں اور یہ جھلملاہٹ عطیب کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ پائی۔ اسے بخوبی یاد تھا کہ سہاگ رات، تم جیسی لڑکی۔ کے الفاظ سن کر تابین کیسا تڑپ اٹھی تھی لیکن وہ پہلی اور آخری بار تھا جب وہ اپنی ذات کے دفاع میں کچھ بولی تھی۔ اس کے بعد سے اس کے وجود نے چپ کی چادر اوڑھ لی تھی۔ اس نے عطیب کی زندگی اور اس کے گھر میں اپنی حیثیت کے تعین کے بعد کوئی صدائے احتجاج بلند نہ کی تھی۔

آج ایک معتبر ہستی کے لبوں سے اپنی تعریف سن کر اس کی آنکھوں کا ڈبڈبا جانا فطری امر تھا، یہ اور بات کہ عطیب ان جھلملاتی آنکھوں سے نگاہیں چرانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

☆☆☆

کشف چند دن کی چھٹیوں پر گھر آئی تو گھر میں کسی قدر ہلچل اور رونق کا احساس جاگا۔ وہ تابین کو بھی اس کے کمرے تک محدود نہ رہنے دیتی۔ کھانے کے وقت بھی اسے آوازیں دے کر کمرے سے باہر نکلنے پر مجبور کر دیتی۔ شام کی چائے کی بعد لاؤنج میں جو محفل جمتی وہ تب بھی تابین کو زبردستی گھسیٹ کر کمرے سے باہر لے آتی۔ تابین کو فائقہ بیگم کی سرد مہر نگاہوں کا سامنا کرنا آسان نہ لگتا تھا اور اگر آئمہ آئی ہوتی تو اس کی چبھتی ہوئی نگاہیں بھی تابین کا اعتماد ڈانوا ڈول کر دیتیں۔

تمہارے لیے یہ کہنا آسان ہے کشف! کبھی خود کو میری جگہ پر رکھ کر سوچو۔ میری ذات کا وقار، انا، بھرم سب کچھ ملیا میٹ ہو گیا ہے۔ اپنی بہن کے کیے کی سزا مجھے بھگتنی پڑ رہی ہے۔ میں فرزین آپی سے علیحدہ شخصیت کی مالک ہوں، لیکن اس گھر میں شاید ہمیشہ مجھے اسی تناظر میں دیکھا جائے گا۔" وہ آزردگی سے بولی تھی۔

"اچھا آئیں میرے ساتھ ۔ آج لنچ ہم دونوں مل کر تیار کرتے ہیں۔ عطیب بھائی کو ویجیٹیبل رائس بہت پسند ہیں اور سبزیوں کی کٹنگ سے میری جان جاتی ہے۔ آپ آ کر میری ہیلپ کروائیں۔"

کشف نے اس کا دھیان بٹانا چاہا اور اس کے ساتھ کچن میں کام کرواتے ہوئے تابین کا جی واقعی بہل گیا تھا۔ کشف کے پاس سنانے کو بہت سے قصے

تھے۔ اپنے کالج کی باتیں، ہاسٹل لائف کے قصے اور جانے کیسے اس کی باتیں سنتے ہوئے تابین کی انگلی پر گہرا کٹ لگ گیا تھا۔

"اوگاڈ اتنا گہرا کٹ۔" چھری کافی تیز تھی۔ تابین سے زیادہ کشف اس کی زخمی انگلی کو دیکھ کر بوکھلائی تھی۔

"ایک منٹ تابین بھابھی، میں فرسٹ ایڈ باکس لے آؤں آپ کی بینڈیج کرتی ہوں۔" وہ فوراً کچن سے نکلی تھی۔ تابین شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ سبزیوں کی کٹنگ کوئی اتنا مشکل کام تو نہ تھا جو وہ یہ کارنامہ سرانجام دے بیٹھی تھی

ذرا سی دیر میں کشف نے بینڈیج کردی تھی لیکن کھانے کی میز پر پٹی بندھی انگلی موضوع گفتگو بن گئی تھی۔ استفسار رضوان صاحب نے کیا تھا، جواب بھی اس کے بجائے کشف نے ہی دیا۔

"اپنی بھاوج کے پھوہڑاپے کا عالم ملاحظہ کرلیا تم نے آئمہ! پھر مجھے مشورہ دیتی ہو کہ میں سارا دن گھر کے کاموں میں پھنسی رہوں۔ بہو بیگم سے بھی کام کروایا کروں۔ پہلے دن کچن میں جانے پر انگلی کٹوالی۔ کوئی اور ذمہ داری ان کے سر ڈالی تو اللہ جانے کیا کارنامہ سرانجام دیں گی۔" فائقہ طنزیہ انداز میں آئمہ سے مخاطب تھیں۔

رضوان صاحب نے ناگواری سے بیگم کو دیکھا لیکن ان کے کچھ بولنے سے پہلے ہی کشف، تابین کی حمایت میں بول پڑی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے امی! تابین بھابھی میری ہی ایج کی تو ہیں۔ اور مجھے گھر داری سے کتنا لگاؤ ہے۔ یہ آپ سب بھی جانتے ہیں۔"

"تم ڈاکٹر بن رہی ہو کشف! گھریلو کام کاج میں طاق نہیں ہو تو اس میں کوئی اچنبھے والی بات نہیں۔ خالی خولی بی اے بی ایس کرنے والی لڑکیاں پھوہڑپن دکھائیں گی تو باتیں تو سننے کو ملیں گی نا۔" آئمہ بھی بولے بنا نہ رہ پائی تھی۔

کشف کو افسوس ہوا کہ وہ کیوں تابین کو اس کے کمرے سے باہر نکال لائی شاید اس کی حجرہ نشینی ہی درست فیصلہ تھی۔

رضوان صاحب بیوی اور بیٹی پر تاسف بھری نگاہ ڈال کر اٹھ گئے تھے۔ عطیب خاموش تماشائی تھا لیکن اپنے عین سامنے والی کرسی پر بیٹھی تابین کے جھکے سر کو دیکھ کر ہی اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اس وقت کچھ کھا نہیں رہی بلکہ صرف آنسو پی رہی ہے۔ عطیب کی بھوک بھی جیسے یکدم مر گئی لیکن باپ کی تقلید میں وہ ٹیبل سے اٹھ کر نہ جاسکتا تھا۔ اپنی پسندیدہ ڈش کھانے لگا۔ تابین بھی جلد ہی اٹھ گئی تھی۔

"نخرے دیکھو محترمہ کے، دو فقرے کیا سننے کو مل گئے۔ کھانا ہی ادھورا چھوڑ دیا۔ ہمیں اس کے خاندان کی وجہ سے آج تک کتنی باتیں سننے کو مل رہی ہیں یہ ہم ہی جانتے ہیں۔" آئمہ نے نخوت بھرے انداز میں تبصرہ کیا تھا۔

"بس کریں آئمہ آپی! پتا ہے اس وقت آپ کیسی نند بن رہی ہیں، بالکل اپنے فیورٹ ڈرامے والی ظالم نند، جس ڈرامے کو دیکھ کر آپ بھاوج کی مظلومیت پر آہیں بھرتی ہیں۔" آئمہ نے بڑی بہن کا لحاظ کیے بنا جتا دیا تھا۔ عطیب جانتا تھا اب آئمہ بھی کشف پر خفگی کا اظہار کرے گی۔

"کشف! کھانا کھا کر مجھے اسٹڈی میں چائے دے جانا۔" وہ اکتا کر اٹھ ہی گیا۔ آئمہ اور کشف خاموش ہو گئی تھیں۔

"ٹھیک ہے بھائی میں ابھی بنالاتی ہوں۔" ماں اور بہن پر جتاتی ہوئی خفگی بھری نگاہیں ڈالتے ہوئے اس نے عطیب کو جواب دیا۔ بیٹے کا پژمردہ چہرہ دیکھ کر فائقہ دل مسوس کر رہ گئی تھیں۔

☆☆☆

رضوان صاحب نے اچانک ہی عمرے پر جانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ ضابطے کی ساری کارروائیاں پوری کرنے کے بعد ہی انہوں نے فائقہ کو پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔

''تیاری کرلیں فائقہ بیگم! اس مہینے کی پندرہ کو ہماری جدہ کے لیے فلائٹ ہے۔'' انہوں نے بیوی کو سرپرائز دیا۔ وہ یہ خوش خبری سن کر ہکا بکا رہ گئیں۔ تین برس قبل دونوں میاں بیوی کو حج کی سعادت نصیب ہوگئی تھی۔

''اچانک اس پروگرام کی وجہ؟'' فائقہ نے شوہر کا چہرہ جانچا۔

''وجہ وہی ہے جو آپ سمجھ چکی ہیں۔ عطیب اور تابین کو ایک دوسرے کو سمجھنے کا موقعہ ملنا چاہیے۔ ایسا ہونا آپ کی موجودگی میں ناممکن ہے۔ عطیب کے دل میں بیوی کے لیے نرم گوشہ پیدا ہونے بھی لگے تو آپ کی منفی باتیں سب کچھ ملیا میٹ کر دیتی ہیں۔ میرا بیٹا اس وقت بہت ذہنی اذیت میں مبتلا ہے میں اسے کسی بھی طرح کے فیصلے پر پہنچنے کے لیے یکسوئی فراہم کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ تابین کو اپنانے کے لیے سنجیدہ ہے تو اسے اس بچی کے تمام تر حقوق پورے کرنے ہوں گے اسے شریک حیات کا رتبہ دینا ہوگا اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اسے کوئی حق حاصل نہیں کہ وہ تابین کو اپنے نام سے جوڑے رکھے۔ اللہ اس بچی کو بہترنعم البدل عطا کردے گا۔'' رضوان صاحب نے صاف گوئی سے بیوی کو جواب دیا تھا۔

''پتا نہیں آپ مجھے اتنا غلط کیوں سمجھ رہے ہیں رضوان میں عطیب کی ماں ہوں۔ اس کی پریشان شکل دیکھ کر میرا بھی جی کٹتا ہے اور میں اس سے کہہ چکی ہوں کہ وہ ہماری پروا کیے بغیر اپنے دل کی بات مان کر کسی فیصلے پر پہنچ جائے۔ مجھے اس کا فیصلہ قبول ہوگا۔'' فائقہ نے شوہر کے سامنے اپنی صفائی پیش کی تھی۔

''چلیں اگر یہ بات ہے کہ آپ کا بیٹا ہی کسی فیصلے پر پہنچ نہیں پا رہا تو اللہ کے گھر جا کر گڑگڑا کر دعا مانگیں گے کہ ہمارے بچوں کی زندگیاں سکون سے ہم کنار ہوں اور ہمارا گھر بھی پوتے، پوتیوں کی چہکاروں سے گونجے۔''

رضوان صاحب نے اپنی بے ساختہ خواہش کا اظہار کیا تھا اور فائقہ بھی آمین کہے بغیر نہ رہ پائی تھیں۔

☆☆☆

عطیب کی جھنجلاہٹ کا عجب عالم تھا۔ ماں باپ کے جانے کے بعد یہ پہلی صبح تھی۔ وقت پر آنکھ ہی نہ کھلی اور آج آفس میں اہم ترین میٹنگ تھی۔ تابین رات کو ہی گیسٹ روم میں شفٹ ہوگئی تھی۔ ورنہ کمرے میں اس کی آہٹوں سے ہی عطیب کی آنکھ کھل جاتی تھی۔

وہ سحر خیز لڑکی تھی، دبے پاؤں اپنے کام نمٹاتی پھر بھی اس کے جاگنے کے بعد عطیب بھی زیادہ دیر سو نہ پاتا اور آج وہ نہیں تھی تو اس کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ جلدی جلدی نہا دھو کر وہ کمرے سے باہر نکلا تو محترمہ لاؤنج میں بیٹھی اخبار کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔

''امی بائیس دن کے لیے گئی ہیں تو کیا بائیس دن مجھے بغیر ناشتے کے آفس جانا پڑے گا۔'' اسے تابین کی بے نیازی حد درجہ کھلی تھی۔ تابین نے ذرا نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''کچن میں چلے جائیے۔ ٹیبل پر ناشتے کے سب لوازمات موجود ہیں۔ کوئی کمی بیشی ہو تو بتا دیجیے گا۔ کل آپ کے کہنے کے مطابق ناشتہ بنا دوں گی۔'' اس نے سپاٹ سے انداز میں عطیب کو جواب دیا تھا۔

وہ پل بھر کے لیے چپ سا ہو گیا پھر تیوریاں چڑھائے چڑھائے ہی کچن کا رخ کیا۔ ''پھوہڑ لڑکی'' کے ہاتھ کا بنا پہلا ناشتہ اسے حیران کر گیا تھا۔ اس کے من پسند لوازمات سے ٹیبل سجی ہوئی تھی، آفس سے دیر ہونے کے باوجود اس نے ڈٹ کر ناشتہ کیا تھا۔ ناشتے کے بعد کچن سے نکلا تو محترمہ نظر نہ آئیں، جانے گھر کے کس گوشے میں جا چھپی تھیں۔ ہاں جب وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر تیز تیز قدم اٹھاتا پورچ کی طرف بڑھ رہا تھا تب وہ اس کے پیچھے آئی تھی۔

''یہ آپ کا لنچ باکس میں نے ناشتے کی میز پر ہی رکھا تھا شاید آپ کی نظر نہیں پڑی۔'' اس نے سیدھے، سپاٹ سے انداز میں عطیب کو مخاطب کیا۔ عطیب نے پہلے لنچ باکس کو دیکھا پھر اسے۔

''چکن سینڈوچ بنائے ہیں۔ اگر کل کچھ اور بنوانا ہو تو بتا دیجیے گا۔'' وہ اس کی گہری نگاہوں سے قدرے خائف ہوئی تھی۔ عطیب بنا کوئی جواب دیے لنچ باکس اس کے ہاتھ سے لے کر آگے بڑھ گیا۔ بظاہر گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کیے ہوئے وہ لڑکی اس کی پسند سے بھی آگاہ تھی اور معمولات سے بھی۔ تابین کی باخبری نے اسے حیران تو کیا تھا لیکن وہ دل میں سوچے بنا بھی نہ رہ پایا کیا وہ معدے کے راستے اس کے دل میں جگہ بنانے کی کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اگلے ہی پل وہ سر جھٹک کر مسکرا دیا۔ دل میں جگہ بنانے کے لیے کچھ انداز دلبری بھی درکار ہوتے ہیں۔ تابین کے سرد و سپاٹ رویے نے اس کی خوش فہمی کا پل بھر میں ہی خاتمہ کر دیا تھا۔ سب باتوں سے قطع نظر اس کا اپنا دل آج کل عجب لے پر کیوں دھڑکنے لگا تھا۔ وجہ جاننے سے وہ خود بھی قاصر تھا۔

☆☆☆

رضوان صاحب نے جاتے سمے بیٹے کو قطعی انداز میں باور کروایا تھا کہ وہ ان بیس، بائیس دنوں میں اپنے اور تابین کے رشتے کو برقرار رکھنے یا نہ رکھنے کے متعلق کوئی فیصلہ کرے۔ جانے کیوں وہ اپنے دل میں جھانکنے سے جھجک رہا تھا۔

ماں اور بڑی بہن کی تابین کے لیے ناپسندیدگی نے بھی اسے عجیب دوراہے پر کھڑا کر دیا تھا۔

آئمہ کے دل میں ابھی تک تابین کے لیے کوئی نرم گوشہ پیدا نہ ہوا تھا۔ ماں باپ کی غیر موجودگی میں اس نے یہاں آنا ہی ترک کر دیا تھا لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ایک صبح وہ واش روم میں سلپ ہو گئی۔ کلائی کی ہڈی میں فریکچر آ گیا۔ مدثر کو آفس کے کام سے دوسرے شہر جانا تھا۔ اس حالت میں بیوی کو اکیلے چھوڑ کر جانے کو جی نہ مانتا تھا اور آئمہ میکے جانے سے انکاری تھی۔ مدثر نے مجبوراً عطیب سے مدد مانگی۔ عطیب فوراً وہاں پہنچا تھا۔

''کمال کرتی ہیں آپی، اتنی بڑی چوٹ لگا بیٹھی ہیں اور مجھے بتانا تک گوارا نہ کیا۔'' وہ سخت خفا تھا۔

''ابو کی تاکید تھی میرے بھائی کہ کچھ دنوں تک عطیب اور تابین کو ڈسٹرب نہیں کرنا۔ میں نے بس اسی لیے گھر کا چکر تک نہ لگایا۔''

آئمہ نے اس سے زیادہ خفگی بھرے انداز میں جتایا۔ بہنوئی کے سامنے اس ذکر پر عطیب کچھ خفیف سا ہو گیا۔

''اچھا چھوڑیں یہ بات۔ میں آپ کو لینے آیا ہوں۔ مدثر بھائی کے جانے کے بعد یہاں اکیلی کیسے رہیں گی۔'' اس نے بہن کو مخاطب کیا۔

''رہ لوں گی۔ میری فکر نہ کرو'' وہ نروٹھے انداز میں بولی۔

''اگر تم عطیب کی بات نہیں مان رہیں تو ٹھیک ہے میں باس کو تمہاری بیماری کا بتا کر جانے سے انکار کر دیتا ہوں۔'' مدثر اسی فیصلے پر پہنچا تھا۔ طوعاً و کرہاً ہی سہی آئمہ چند دن کے لیے میکے جا کر رہنے پر راضی ہو گئی۔

عطیب جانتا تھا کہ وہ تابین کا کسی قسم کا احسان لینا گوارا نہ کرے گی۔ اس لیے اس نے ملازمہ کو خاص ہدایت دی تھی کہ وہ آئمہ کا ہر طرح خیال رکھے۔ جز وقتی ملازمہ نے فوراً فرماں برداری سے سر ہلا دیا تھا لیکن اس کی تیمارداری کی ذمہ داری تابین نے ہی اٹھائی تھی۔ بنا ماتھے پر بل ڈالے وہ گھر کے کاموں کے ساتھ آئمہ اور بچوں کا خیال رکھ رہی تھی۔ ہنستے مسکراتے بچوں کے فرمائشی پکوان پکاتی۔ بچوں نے ہوم ورک بھی تابین مامی سے ہی کروانا تھا۔ بچوں کے ساتھ وہ بہت گھل مل گئی تھی، ہاں آئمہ کا سامنا بہت جھجکتے ہوئے کرتی تھی۔ آئمہ خود خاموشی سے اس کے روز و شب نوٹ کر رہی تھی۔

وہ لڑکی جو پہلے اپنے کمرے تک محدود رہتی تھی اب پوری جانفشانی سے گھر کی ذمہ داریاں نبھا رہی تھی لیکن اس کے انداز سے مالکانہ پن کا احساس اب بھی نہ جھلکتا تھا۔ بنا جتائے۔ بہت خاموشی سے وہ کام نمٹاتی رہتی۔ کام بہت نفاست اور سلیقے سے کرتی۔ ہاتھ میں ذائقہ بھی تھا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ آئمہ کا اس کے بارے میں تاثر بدلتا جا رہا تھا۔ پھر ایک دن اس نے کشف کے ساتھ اس کی ٹیلی فونک گفتگو سن لی۔

"یقین رکھیں تابین بھابھی آپ بہت جلد اس گھر میں بھی اپنی جگہ بنالیں گی اور اس گھر کے مکینوں کے دلوں میں بھی، آپ کا خلوص اور خدمت گزاری رائیگاں نہیں جائے گی۔"

"سچ تو یہ ہے کشف! میں یہ سب اس گھر یا گھر کے مکینوں کے دل میں جگہ بنانے کے لیے نہیں کر رہی۔ بس میں یہ چاہتی ہوں کہ میں اپنی ماں کی تربیت کا مان رکھ لوں۔ فرزین آپی کے عمل نے ہماری فیملی کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا۔ میں چاہتی ہوں کہ ان کے عمل کو میرے کھاتے میں نہ ڈالا جائے۔ میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں بلکہ اپنے والدین کی اچھی بیٹی ہوں۔" تابین کی آواز بھرّا گئی تھی۔ اس کی بات سن کر آئمہ کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

"کیا واقعی ہم نے اس لڑکی کے ساتھ بلاوجہ کٹھور روّیہ اپنایا۔ کسی اور کے کیے کی سزا اسے دینا کہاں کا انصاف ہے۔" وہ بات جو کشف اتنے عرصے سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی مگر سمجھ میں آ کر نہ دے رہی تھی۔ اب اپنے دل سے یہی صدا ابھری تو عجیب سی شرمندگی نے وجود کا احاطہ کر لیا۔

تابین سے فوری طور پر بے تکلفانہ اور محبت بھرے روابط استوار کرنا تو ممکن نہ تھا اب تابین کا سامنا ہونے پر وہ اس کی جانب طنزیہ اور سرد مہر نگاہوں سے نہ دیکھتی تھی بلکہ ایک نرم سے مسکراہٹ اس کی جانب اچھال دیتی۔ ہاں تنہائی میں عطیب کے سامنے یہ ضرور تسلیم کیا تھا کہ تابین حقیقتاً اچھی لڑکی ہے اور اب عطیب کو اپنی زندگی میں اس کا جائز مقام دینا چاہیے۔ عطیب بہن کی کایا پلٹ پر ذرا بھی حیران نہ ہوا۔ اس کے اپنے دل کی کایا بھی تو پلٹ چکی تھی۔

اب مسئلہ صرف یہ تھا کہ دل کا بدلا ہوا فسانہ دل کی مکین کو کیسے سنایا جائے۔ وہ اپنے سارے فرائض تو بخوبی نمٹا رہی تھی لیکن عطیب کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی روادار نہ تھی۔

مدثر کی واپسی پر آئمہ بھی گھر چلی گئی۔ میشا اور ریان کی وجہ سے تابین کا خوب جی لگا ہوا تھا۔ ان کے جانے کے بعد وہ بری طرح اداس ہو گئی۔ رضوان صاحب اور فائقہ کی واپسی میں چند روز باقی تھے۔ عطیب اب بھی اس سے دور تھا۔

آج وہ آفس سے لوٹا تو تابین بیگ تیار کیے اس کی منتظر تھی۔

"اسامہ مجھے لینے آ رہا ہے میں اپنے گھر جا رہی ہوں۔" اس نے اپنے چھوٹے بھائی کا نام لیتے ہوئے بتایا تھا۔ اس کی بات اتنی غیر متوقع تھی کہ عطیب چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہ پایا۔ تابین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"زبردستی کے بندھن پائیدار نہیں ہوتے۔ میری آپ سے شادی کی فقط ایک ہی وجہ تھی۔ میرے والدین نے اپنی دانست میں آپ لوگوں کے ساتھ ہونے والی زیادتی کے ازالے کی کوشش کی تھی۔ فرزین آپی نے ہم سب کے ساتھ بہت برا کیا لیکن اتنا سب کچھ ہونے کے بعد دونوں خاندانوں کا پھر سے رشتہ جوڑ لینا دانش مندانہ فیصلہ نہیں تھا اگر آپ کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے تو کسی حد تک ناانصافی میرے ساتھ بھی ہوئی ہے۔ مجھے ایسی غلطی کا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے جو مجھ سے سرزد بھی نہ ہوئی تھی۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم زبردستی کے باندھے گئے اس بندھن پر نظر ثانی کر لیں۔" وہ نظریں جھکائے ٹھہر ٹھہر کر بول رہی تھی۔

"تو تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں؟" عطیب نے لب بھینچ کر سنجیدگی سے استفسار کیا۔

"میں اس احساس کے ساتھ یہاں نہیں رہنا چاہتی کہ میں آپ پر زبردستی مسلط کی گئی ہوں۔ میں محبت کی طلب گار نہیں ہوں لیکن سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں۔ ذلت کے احساس سے میرا یہاں پر دم گھٹتا ہے۔" ضبط کرتے کرتے بھی اس کی آواز بھرا گئی تھی۔ تب ہی دروازے پر گھنٹی بجی تھی۔

"اسامہ آگیا ہے۔ میں چلتی ہوں۔" اس نے الوداعی نگاہ عطیب پر ڈالی۔ وہ ساکت کھڑا رہا۔

"کل آنٹی، انکل لوٹ رہے ہیں۔ میں نے دو دن کا کھانا بنا کر فریز کر دیا ہے۔ آپ کے سب کپڑے بھی پریس ہیں۔ پروین کل صبح سویرے ہی آجائے گی تاکہ آپ کے آفس جانے سے پہلے چھوٹے موٹے کام نمٹا دے، اور میں نے اس سے کہہ دیا ہے۔"

"اوکے۔ جب تم جا رہی ہو تو یہ سب تمہارا دردسر نہیں ہے۔" عطیب نے سپاٹ انداز میں اس کی بات کاٹی۔ وہ لب کچلتی، آنسو پیتی فقط سر ہلا کر رہ گئی۔ عطیب نے اس کے ہاتھ سے بیگ لیا تھا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ تابین اس کٹھور بندے کی پشت پر شاکی نگاہ ڈالتے ہوئے اس کے پیچھے چل پڑی۔ اسامہ باہر گاڑی لیے اس کا منتظر تھا۔ عطیب نے اس سے مصافحہ کرکے اسے بیگ تھمایا تھا پھر واپس مڑ گیا۔ تابین بھی آنکھیں پونچھتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ آگے قسمت میں کیا لکھا تھا وہ بے خبر تھی۔

☆☆☆

جس گھر میں قدم رکھتے وقت تابین کسی خوش فہمی کا شکار نہ تھی آئمہ اور فائقہ کی آنکھوں سے چھلکتی بے زاری اسے شدید ترین خفت میں مبتلا کر دیتی۔ پھر عطیب تھا جو قسمت کے ہیر پھیر سے اس کے مجازی خدا کے رتبے پر فائز ہو چکا تھا۔ سہاگ رات ہی اس نے واشگاف الفاظ میں تابین کو اس کی اوقات بتا دی تھی۔

وہ اس وقت تو اپنے لیے ہتک آمیز الفاظ سن کر تڑپ اٹھی تھی لیکن پھر احساس ہو گیا کہ احتجاج بے معنی ہے۔ وہ صبر کی چادر اوڑھ کر سمجھوتے کی راہ پر چل پڑی تھی۔

مستقبل غیر واضح تھا۔ غالب امکان یہ ہی تھا کہ کچھ وقت گزرنے کے بعد عطیب زبردستی کے اس بندھن سے خود بھی جان چھڑا لے گا اور اسے بھی آزادی کا پروانہ مل جائے گا لیکن جانے کیوں متوقع آزادی کا احساس بھی اس کے اندر کوئی جوت نہ جگاتا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اپنے دلی جذبے اس پر آشکار ہوئے تو وہ ششدر رہ گئی۔ تیکھے اور مغرور نقوش والا شخص تو جانے کب اور کیسے دل کا مکین بن بیٹھا تھا۔ اس سے تعلق ٹوٹنے کا سوچ کر ہی دل میں سناٹا پھیل جاتا۔

وہ صرف اللہ کے حضور فریاد کر سکتی تھی کہ جس شخص سے اس کا نام جڑ چکا ہے اس کے دل میں جگہ بھی بن جائے۔ فی الحال تو اس نے اجنبیت اور گریز کی چادر اوڑھ رکھی تھی۔ کشف اس سے مسلسل ٹیلی فونک رابطے میں تھی وہ اس کی ہمت بھی بندھاتی اور اچھے دنوں کی آس بھی دلواتی۔

"آپ کوشش کرتی رہیں۔ ایک دن آپ خود کو منوانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔" کشف نے اسے تسلی دی۔ پھر فائقہ آنٹی اور رضوان انکل عمرے پر چلے گئے۔ اس نے بخوشی گھر کی ذمہ داریاں نبھانا شروع کر دی تھیں ہاں اپنی ذات کا وقار اور بھرم اسے ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ عطیب کسی وقتی جذبے سے مغلوب ہو کر اس کی طرف قدم بڑھائے۔ وہ پورے وقار کے ساتھ اس کی زندگی کا حصہ بننا چاہتی تھی اور یہ ہی سوچ کشف کی بھی تھی۔ انکل، آنٹی کی واپسی سے تین دن پہلے

"مبارک ہو بھابھی جان۔ میرے بھیا لائن پر آ ہی گئے ہیں۔ بس وہ یہ سوچ رہے ہیں آپ کو کیسے منائیں۔" کشف نے ہنستے ہوئے آگاہ کیا۔

"منانے کا کیا سوال، میں ناراض کب ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔

"کیوں ناراض نہیں ہیں۔ ہماری اور آپ کی فیملی کے ساتھ جو ہوا، اس کی سب سے زیادہ متاثر فریق آپ ہی ہیں۔ یا تو بھائی کو اس شادی پر راضی ہی نہیں ہونا چاہیے تھا اور اگر راضی ہو گئے تھے تو پھر دل سے اس رشتے کو قبول کر کے نباہ لینا چاہیے تھا۔ آخر وہ آپ کی خوبیوں کے دل سے معترف ہو گئے ہیں۔

آپ کو اپنانا چاہتے ہیں تو انہیں آپ کو مان، عزت اور مرتبے کے ساتھ اپنی زندگی میں شامل کرنا ہوگا۔" کشف ٹھوس لہجے میں مخاطب تھی۔ تابین کی آنکھیں اس کی محبت پر بھیگ گئیں۔

کشف سچ کہتی تھی اسے صرف عطیب کی زندگی میں شامل نہیں ہونا تھا بلکہ پوری عزت اور وقار کے ساتھ اس کی زندگی اور اس کے گھر کا حصہ بننا تھا۔ اس کی واپسی کا سن کر عطیب کی آنکھوں میں بے یقینی سی ابھری تھی۔ تابین کا جی چاہا کہ وہ اسی پل اپنا حق جتا کر اسے روک لے لیکن وہ تو خود اسامہ کو اس کا بیگ تھما آیا تھا۔ اسے اپنی انا عزیز تھی تو وہ خود کیسے اظہار کرتی۔

گھر پہنچ کر اس نے ماں، باپ کو تسلی دی تھی کہ وہ صرف چند دن گزارنے آئی ہے اور عطیب اسے خود لینے آئے گا۔ خدیجہ بیٹی کو گلے لگا کر سسک پڑی تھیں۔

"ہم نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ تابین لیکن اب تم پر کوئی زور زبردستی نہیں۔ اپنی زندگی کے متعلق فیصلہ کرنے کا تمہیں پورا اختیار ہے اگر تم واپس نہیں جانا چاہتیں تو میں اور تمہارے ابو تمہارے فیصلے پر تمہارے ساتھ ہوں گے"۔ انہوں نے نم آنکھوں سے بیٹی کو یقین دلایا۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں امی۔ دعا کریں میرا گمان درست ثابت ہو۔ عطیب مجھے لینے آجائیں۔" وہ ماں سے دل کا حال نہ چھپا پائی تھی۔ خدیجہ نے اسے دوبارہ سینے سے لگا لیا تھا اور آج اسے گھر آئے ہوئے پورے بارہ روز گزر چکے تھے۔

عطیب یا اس کے گھر والوں کی طرف سے کوئی رابطہ نہ ہوا تھا۔ کشف نے بھی پلٹ کر فون نہ کیا تھا اور خود سے رابطہ کر کے اپنے [illegible] کے بارے میں کچھ پوچھنا اسے گوارا نہ تھا۔ اب جب وہ کشتیاں جلا کر آہی گئی تھی تو اسے صبر اور حوصلے سے کام لینا تھا لیکن ہر گزرتے دن کے ساتھ حوصلہ دم توڑتا جا رہا تھا۔

وہ عطیب کی آنکھوں میں اپنے نام کا عکس دیکھ چکی تھی لیکن اس نے عطیب کی ماں کے بارے میں کیوں نہ سوچا۔ ماں کی رضامندی کے بغیر وہ اسے کیوں کر اپنا سکتا تھا۔ وہ اپنے بارے میں کیوں اتنی خوش فہم ہو گئی تھی اب تو اسے کشف پر بھی غصہ آتا۔ کاش اس کا مشورہ نہ مانا ہوتا۔ فائقہ آنٹی نے کون سا اسے گھر سے نکال دینا تھا۔ وہ خدمت اور اطاعت گزاری سے ان کے دل میں بھی جگہ بنا ہی لیتی۔ اپنے غلط فیصلے پر رہ رہ کر قلق ہوتا تھا۔

اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا اس کی ذات ہی بگڑے کام سنوار سکتی تھی۔ اس روز بھی وہ نماز کے بعد دیر تک اللہ کے حضور گڑگڑاتی رہی۔ اتنے میں اسامہ نے اندر جھانکا تھا۔

"آپی! نماز پڑھ کر فارغ ہو گئی ہیں تو چائے بنالیں۔ باقی سامان میں بازار سے لے آتا ہوں۔"

"کوئی آیا ہے کیا؟" اس نے جائے نماز تہہ کرتے ہوئے سوال کیا۔

"عطیب بھائی ہیں۔ ساتھ آپ کے ساس سسر ہیں۔

چکن رول اور فروٹ کیک کے ساتھ تیسرا آئٹم کیا ہونا چاہیے۔"

اسامہ کا ذہن خاطر مدارت میں الجھا ہوا تھا۔ اس نے جیسے اسامہ کا سوال سنا ہی نہیں۔ بے یقینی سے کمرے سے باہر نکلی۔ ڈرائنگ روم کے باہر جا کر قدم تھم سے گئے۔ اندر سے رضوان انکل کی آواز آرہی تھی۔ وہ معذرت کا اظہار کرتے ہوئے تابین کو ساتھ لے جانے کی بات کر رہے تھے پھر ان ہی کی بات کو فائقہ آنٹی نے آگے بڑھایا تھا۔

"رضوان صحیح کہہ رہے ہیں خدیجہ بہن! جو ہوا اسے ماضی کا حصہ سمجھ کر بھول جائیں۔ اب ہم تابین

بٹی کو لینے آئے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ اسے گھر میں وہ ہی عزت اور مرتبہ ملے گا جس کی وہ حق دار ہے۔ ہماری اکلوتی بہو جو ٹھہری۔" اسی لمحے ان کی نگاہ تابین پر پڑی تھی۔

"آؤ بیٹا باہر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آؤ نا۔"

فائقہ بیگم نے اسے محبت سے پکارا۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہ آیا۔ میکانکی انداز میں قدم بڑھا دیے تھے۔ اسی کھوٹے، کھوٹے انداز میں ساس، سسر کو سلام کیا تھا۔ فائقہ نے اسے ساتھ لپٹا کر پیار کیا تھا۔ رضوان صاحب نے بھی سر پر ہاتھ پھیر کر دعاؤں سے نوازا تھا۔ سامنے عطیب بیٹھا تھا جو خاموش مگر بہت فرصت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تابین بیٹا! تم بیٹھو میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" خدیجہ کو آداب میزبانی نبھانے کا خیال آیا۔

"چائے ادھار رہی خدیجہ بھابھی! چائے بھی اور کھانا بھی۔ فی الحال تو ہم اپنی بہو کو لینے آئے ہیں اور آپ لوگوں کو مدعو کرنے۔ آج گھر پر سب رشتہ داروں کو کھانے پر بلایا ہے۔ شادی کے بعد سے لوگ مبارکباد دینے آرہے تھے۔ ہم نے سوچا ایک بار سب کو اکٹھے ہی کھانے پر مدعو کرلیا جائے۔" رضوان صاحب نے بشاشت سے مسکراتے ہوئے بتایا تھا۔

"اچھی بات ہے رضوان بھائی۔ آپ اپنی دعوت نمٹائیں۔ ہم ان شاء اللہ پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔ یوں سمجھیں، آپ کی طرف کا کھانا بھی ادھار رہا۔" برہان صاحب نے مسکرا کر سمدھی کو مخاطب کیا۔

"پھر اجازت، ہم تابین کو لے جائیں۔" فائقہ پوچھ رہی تھیں۔ شکر گزاری کے احساس سے خدیجہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"تابین پر ہم سے زیادہ آپ کا حق ہے۔" وہ آنکھیں پونچھتے ہوئے مسکرائی تھیں۔ فائقہ نے سمدھن کو گلے لگالیا تھا۔

☆☆☆

یہ واپسی کا سفر تھا۔ عطیب ڈرائیو کر رہا تھا۔ تابین پچھلی نشست پر ساس کے ہمراہ بیٹھی تھی تب فرنٹ سیٹ پر بیٹھے رضوان صاحب نے مسکرا کر بیوی کو مخاطب کیا۔

"آپ کے صاحبزادے کا بھی جواب نہیں بیگم صاحبہ، معذرت کرنا اس کا بنتا تھا اور یہ وہاں پر منہ میں گھنگھنیاں ڈالے بیٹھے رہے۔" باپ کی بات سن کر عطیب بھی مسکرایا۔

"صرف معذرت کرنے سے کام نہیں بنتا تھا ابو۔ ابھی اصل مرحلہ تو منانے کا درپیش ہے۔ اب سسرال میں بیٹھ کر روٹھی بیوی کو منایا تو نہیں جاسکتا تھا نا۔"

"ٹھیک ہے برخودار! اور تابین بٹی تمہیں پوری آزادی ہے گھر جا کر عطیب کے جیسے مرضی کان کھینچنا۔ ہم میں سے کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔" رضوان صاحب نے اب تابین کو مخاطب کیا تھا۔ حیران، پریشان تابین سسر کی بات سن کر شپٹا ہی تو گئی تھی۔

"آپ باپ، بیٹا مل کر میری بہو کو پریشان نہ کریں۔" فائقہ نے دونوں کو تنبیہ کی تھی۔ تابین سر جھکائے بیٹھی تھی لیکن فائقہ اس کی حیرت بھانپ چکی تھیں۔ وہ یقیناً ساس کی کایا پلٹ پر بھی حیران تھی۔

فائقہ کو حیران شکل والی بہو پر پیار آیا۔ وہ اسے کیسے بتاتیں کہ یہ کایا پلٹ ایک دن میں نہیں ہوئی۔ دل اور دماغ کی کشمکش میں تو وہ اول روز سے ہی مبتلا تھیں۔ عطیب نے تابین کو قبول نہیں کیا تھا۔ اکلوتے بیٹے کی بے رونق زندگی کو دیکھ کر ان کا جی کڑھتا تھا۔ حالانکہ وقت گزرنے کے ساتھ انہیں احساس ہوگیا تھا کہ تابین اپنی بہن کے کیے کی ذمہ دار نہیں ہے لیکن اکلوتے بیٹے کی خوشیاں ملیامیٹ ہونے کے بعد وہ اپنے دل میں تابین کے لیے کوئی جگہ نہ پاتی تھیں۔ شوہر کے سمجھانے پر وقتی طور پر ضمیر ملامت کرتا لیکن تابین کو دیکھتے ہی اس وقتی ملامت پر بے زار اور چڑ کا جذبہ حاوی ہو جاتا پھر رضوان انہیں عمرے پر لے گئے۔

وہ مقدس سرزمین جہاں ایک عام مسلمان بھی رقیق القلبی کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی

ایک دن جب وہ حرم پاک کی حدود میں رو، رو کر اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہی تھیں، تو شوہر نے خود کلامی کے سے انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

"کتنی عجیب بات ہے انسان، کسی دوسرے انسان کا ناکردہ جرم بھی معاف کرنے کو تیار نہیں ہوتا جب کہ اپنے خالق کے حضور دعا کرتا ہے کہ اس کے کردہ، ناکردہ سب، گناہ معاف کر دیے جائیں۔"

شوہر کی بات سن کر وہ جی جان سے کانپ گئیں وہ اپنی غلطی کے ادراک کا لمحہ تھا۔ رضوان کس جانب اشارہ کر رہے تھے فائقہ بخوبی سمجھ گئی تھیں۔ ایک بار پھر آنسو ان کے گال بھگونے لگے۔

"شاید ہر ماں ہی اولاد کو دیوانہ وار چاہتی ہے رضوان صاحب لیکن عطیب میں میری جان ہے۔ شادی کے باوجود اسے شادی شدہ زندگی کی مسرت حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ یہ بات مجھ سے برداشت نہیں ہوتی ورنہ آپ جانتے ہیں میں کبھی روایتی ساس نہیں بننا چاہتی تھی۔" وہ بے بسی سے بولی تھیں۔

"اللہ کے حضور دعا کریں بیگم! کہ آپ کے بیٹے کے دل میں بھی اس بچی کے لیے گنجائش پیدا ہو۔ ان شاء اللہ اسے شادی شدہ زندگی کی سب مسرتیں حاصل ہوں گی۔ رضوان صاحب نے انہیں رسانیت سے سمجھایا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کی نمی پونچھتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وطن واپس پہنچنے پر اپنی دعاؤں کی قبولیت دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی تھیں۔

"ابو نے مجھ سے کہا تھا امی! کہ میں کسی فیصلے پر پہنچ جاؤں۔ میں تو فیصلے پر پہنچ گیا لیکن آپ کی بہو میرے دل کی بات سنے بغیر اپنے گھر چلی گئی۔" عطیب نے تنہائی میسر آتے ہی ماں کو منہ بسور کر آگاہ کیا۔ فائقہ نے حیران ہو کر سوالیہ نگاہیں بیٹے کے چہرے پر گاڑیں۔

"تابین بہت اچھی لڑکی ہے امی۔ میں خوش قسمت ہوں کہ اللہ نے اس جیسی لڑکی کو میرے نصیب کا حصہ بنایا ہے۔ ہمارا ملاپ یوں ہی اتفاقیہ طور پر ہونا لکھا تھا۔ میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں اور اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

وہ ہمیشہ کی طرح ماں سے دل کی بات نہ چھپا پایا تھا۔

"فکر نہ کرو میرے چاند! میں اپنی بہو کو خود جا کر لاؤں گی۔" انہوں نے بیٹے کی پیشانی چوم کر اسے تسلی دی۔

آئمہ نے بھی بیتے دنوں کی روداد سنا کر ماں سے تابین کی خوب ہی تعریفیں کی تھیں اور ان کی کشف تو اپنے بابا کی طرح تھی ہی حق اور سچ کی علم بردار۔ وہ جلد از جلد تابین کو دوبارہ اپنے گھر میں دیکھنا چاہتی تھیں اور آج فائقہ بھرپور مان سے اپنی بہو کو گھر لے جا رہی تھیں۔

خاندان والوں کو دعوت پر مدعو کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ سب لوگ عطیب اور تابین کی خوشگوار زندگی کی جھلک دیکھ لیں تاکہ بے بنیاد قیاس آرائیوں کا خاتمہ ممکن ہو سکے۔ تابین نے گھر میں قدم رکھا تو آئمہ، کشف اور میشا، ریان نے اس کا پرتپاک استقبال کیا۔ نئی نویلی دلہن کی طرح اس پر پھولوں کی پتیاں نچھاور کیں کشف نے تو بھائی سے نیگ کا مطالبہ بھی کر دیا۔

"اپنی بھابی کا چہرہ تو دیکھو۔ لگ رہا ہے دو دن سے منہ نہیں دھویا۔ اگر سجی سنوری بیوی کے ہمراہ گھر میں قدم رکھتا تو تم نیگ کا تقاضا کرتی اچھی لگتیں۔" عطیب نے بہن کو ہری جھنڈی دکھائی۔

"اپنی بھابھی کو تو ہم آدھے، گھنٹے میں سجا، سنوار لیں گے تم تگڑا سا نیگ تیار رکھو۔" آئمہ تابین کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے گئی۔ کشف بھی ہمراہ تھی۔

"وقت واقعی کم ہے۔ مہمان بس پہنچنے والے ہوں گے۔ میں نے تمہارا جوڑا پریس کروا لیا تھا۔ تم فٹا فٹ، چینج کرو، پھر کشف تمہیں تیار کر دے گی۔ تمہیں علم ہی نہ ہوگا کہ مستقبل کی ڈاکٹر کتنی ماہر بیوٹیشن بھی ہے۔" آئمہ نے اسے مسکرا کر بتایا تھا۔

''دعائیں یوں بھی قبول ہوتی ہیں۔'' ان سب کی محبتیں دیکھ کر تابین کی آنکھیں بھیگتی جا رہی تھیں۔

''بس اب ان آنسوؤں پر پہرا بٹھاؤ، اللہ تمہیں ہمیشہ ہنستا مسکراتا اور شاد آباد رکھے۔'' آئمہ نے اسے گلے لگا کر دعا دی تھی۔

کشف! اپنا سارا ہنر آزماؤ۔ لیکن ذرا جلدی بندا! میں باہر کے انتظامات دیکھ لوں۔ آئمہ اسے کشف کے سپرد کر کے چلی گئی تھی۔ بہت خوبصورت اور اسٹائلش سا جوڑا۔ میچنگ، زیورات اور کشف کے ہنر مند ہاتھ، سنگھار مکمل ہونے کے بعد تو تابین بھی خود کو پہچان نہ پا رہی تھی۔

''یو آر لکنگ گارجیئس مادام''۔ کشف نے اسے بے ساختہ سراہا تھا۔

''یہ سب کچھ بہت ہیوی نہیں ہو گیا۔ کبھی میں سب کو کارٹون لگوں؟'' تابین کو خدشہ ستایا تھا۔ کشف نے کمر پر ہاتھ رکھ کر اسے معنوعی خفگی سے گھورا۔

''اتنی محنت سے میک اپ کیا ہے۔ مانا آپ بہت حسین ہیں لیکن اس وقت حسین ترین لگ رہی ہیں۔ خوامخواہ میں کانشس مت ہوں اور آپ نے پورے اعتماد سے سب مہمانوں کو فیس کرنا ہے۔ پتہ ہے ہماری پھوپھو......''

کشف کی بات ادھوری رہ گئی تھی اسی وقت دستک دے کر عطیب اندر چلا آیا تھا۔ تابین پر نگاہ پڑنے کے ساتھ ہی وہ مبہوت رہ گیا۔ تابین نے بے ساختہ سر جھکا تھا۔

''اتنی دیر سے یہ میک اوور جاری ہے۔ مجھے بھی چینج کرنا ہے یار! کسی کو پرواہ ہی نہیں کہ مجھے بھی کپڑے وغیرہ نکال کر دے۔ اتنے رف حلیے میں گھوم رہا ہوں۔''

''آپ کی پرواہ اب آپ کی بیگم کریں گی۔ ہمیں خود بھی تیار ہونا ہے۔'' کشف نے بے نیازی سے جواب دیا۔ کمرے سے نکلتے نکلتے اسے کچھ خیال آیا۔

''تابین بھابھی کو خدشہ ستا رہا ہے کہ کہیں یہ کارٹون تو نہیں لگ رہیں ذرا ان کی تسلی کرا دیں۔'' کشف شوخی سے کہتی کمرے سے چلی گئی تھی۔

عطیب مسکرا کر تابین کے قریب آیا۔

''کیوں خدشہ ستایا کہ تم کارٹون لگ رہی ہو؟'' اس نے تابین کی جھکی ہوئی ٹھوڑی اوپر اٹھاتے ہوئے مسکرا کر پوچھا۔

''کیونکہ پہلے ایک بار آپ ہی مجھے کارٹون کریکٹر سے تشبیہ دے چکے ہیں۔'' وہ جتائے بغیر نہ رہ پائی۔ عطیب گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا۔ وہ سہاگ رات کا حوالہ دے رہی تھی عطیب کو بخوبی یاد تھا۔

''چلو میری ایک خوش فہمی کا تو خاتمہ ہوا۔ میں نے سوچا تھا کہ میری بیوی دوسری عورتوں سے بہت مختلف ہے۔ وہ اعلیٰ ظرفی کا ثبوت دیتے ہوئے میری ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کر دے گی اور مجھے معافی مانگنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی لیکن تمہارے تیور دیکھ کر تو لگ رہا ہے معافی مانگنے کے ساتھ کان بھی پکڑنے پڑیں گے، بتاؤ پہلے کیا کام کروں۔ معافی مانگو یا کان پکڑوں۔'' وہ بھرپور سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا جبکہ آنکھیں مسکرا رہی تھیں۔

''میں نے یہ کب کہا؟'' تابین بے چاری سٹ پٹا ہی تو گئی۔

''تم نے تو ابھی تک کچھ بھی نہیں کہا لیکن میں آج سب کچھ کہنا چاہتا ہوں۔'' عطیب نے اس بار اسے والہانہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ تابین نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا لیکن اس کی محبت لٹاتی نگاہوں کی تاب نہ لا کر گڑبڑا کر پھر سے نگاہیں جھکا لیں۔

''تم میری زندگی کی سب سے خوب صورت حقیقت ہو تابین! میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ ماضی میں جو ہوا اسے بھول کر تمہارے سنگ، ایک نئی زندگی کی شروعات کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میں توقع رکھوں کہ تم میری ماضی کی کوتاہیوں کو بھلا کر مجھے اچھا شوہر بن کر دکھانے کا ایک موقعہ دو گی۔'' وہ نرم لہجے میں پوچھ رہا تھا۔ تابین نے ہولے سے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اور کیا میں یہ بھی توقع رکھوں کہ اس اظہار محبت کے بعد مجھے تمہارے لبوں سے بھی محبت کا چھوٹا موٹا اعتراف سننے کو مل جائے گا'' وہ اس بار شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔

''میں تو جانے کب سے آپ کی محبت میں مبتلا ہوں۔ آپ کی تمام تر بے اعتنائی کے باوجود۔'' تابین کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

''مجھے لگتا ہے کان پکڑے بنا بات بنے گی نہیں۔'' عطیب نے پھر گہرا سانس اندر کھینچا۔

''سوری عطیب!'' اس نے بوکھلا کر فوراً معذرت کی تھی، وہ کھل کر ہنس پڑا۔

''آپ سے ایک بات اور کرنی ہے۔'' کچھ جھجکتے ہوئے اس نے عطیب کو مخاطب کیا۔

''مجھ سے کچھ کہنے کے لیے اتنا سوچنے کی ضرورت نہیں۔ کہو کیا کہنا چاہتی ہو؟'' وہ مسکرا کر بولا۔

''فرزین آپی اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہیں۔ انہوں نے محبت کی شادی تو کرلی لیکن ان کے سسرال والوں نے انہیں دل سے قبول نہیں کیا انہیں وہاں بہت ذلت آمیز زندگی گزارنی پڑ رہی ہے۔ فرزین آپی بار بار امی، ابو سے رابطہ کرکے معافی مانگ رہی ہیں۔ اب تو امی، ابو کا دل بھی پسیج گیا ہے۔ لیکن صرف میرے بارے میں سوچ کر وہ فرزین آپی کو گھر تک آنے کی اجازت نہیں دے رہے۔''

تابین نے دھیرے سے بتایا تھا۔ اس ادھوری بات سے بھی عطیب اس کا مافی الضمیر سمجھ گیا تھا۔

تابین! تم میری زندگی کی ان مٹ سچائی ہو۔ مجھے تمہارے سوا کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ فرزین تمہاری بہن ہے۔ خون کے رشتے کبھی ختم نہیں کیے جاسکتے اور میں بھی ہرگز نہ چاہوں گا کہ میری وجہ سے تم اپنی بہن یا انکل آنٹی اپنی بیٹی سے تعلق توڑے رکھیں لہٰذا ہر طرح کی ٹینشن دل سے نکال دو۔ میں چاہتا ہوں ہمارے درمیان اعتماد اور بھروسے کا رشتہ سب سے پہلے استوار ہو۔'' وہ دھیرے سے مسکرا کر بولا تھا۔

تابین نے ڈبڈبائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''آپ بہت اچھے ہیں عطیب'' ۔ وہ فقط یہی کہہ پائی۔

''اچھا ہوں تب ہی تو اللہ نے مجھے دنیا میں ہی حوروں جیسی بیوی عطا کردی۔'' اس نے تابین کو والہانہ نگاہوں سے دیکھا۔ حیا کی سرخی تابین کے گالوں پر بکھر گئی۔ اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ عطیب کی اجازت پاکر کشف نے مسکرا کر اندر جھانکا تھا۔

''ڈسٹرب کرنے کے لیے معذرت خواہ ہوں لیکن سب مہمان پہنچ چکے ہیں۔ قطمی پھوپھو تو کئی بار بھابھی کے متعلق پوچھ چکی ہیں۔ لائبہ کے ہونٹوں پر بھی حسب معمول طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی ہے۔ آپ بھابھی کے ہمراہ باہر تشریف لے آئیں۔ اسی صورت میں سب کی تشفی ہوسکتی ہے۔'' عطیب بہن کی بات سن کر مسکرایا پھر تابین کی طرف متوجہ ہوا۔

''چلیے بیگم صاحبہ!'' اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تھا۔

''آپ پہلے فریش تو ہوجاتے۔'' تابین نے سٹ پٹا کر اسے یاد دلایا۔

''تمہیں دیکھ کر میں آل ریڈی فریش ہوچکا ہوں۔ جہاں تک میرے حلیے کا تعلق ہے تو آج مجھ پر کس کی نگاہ پڑے گی۔'' عطیب نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑا اور ہاتھ پکڑے پکڑے ہی کمرے سے باہر لایا تھا۔

''میں نروس ہو رہی ہوں عطیب۔ پلیز ہاتھ تو چھوڑ دیں'' ۔ تابین منمنائی تھی۔ اس نے مسکرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

اب آئمہ آگے بڑھ کر خاندان والوں کا تابین سے تعارف کروا رہی تھی۔ فائقہ محبت سے بہو کو دیکھ رہی تھیں۔

ذرا سی وسعت قلبی اور اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنے سے زندگی کتنی پرسکون اور خوشگوار ہوگئی تھی۔